ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 06... جون 2026

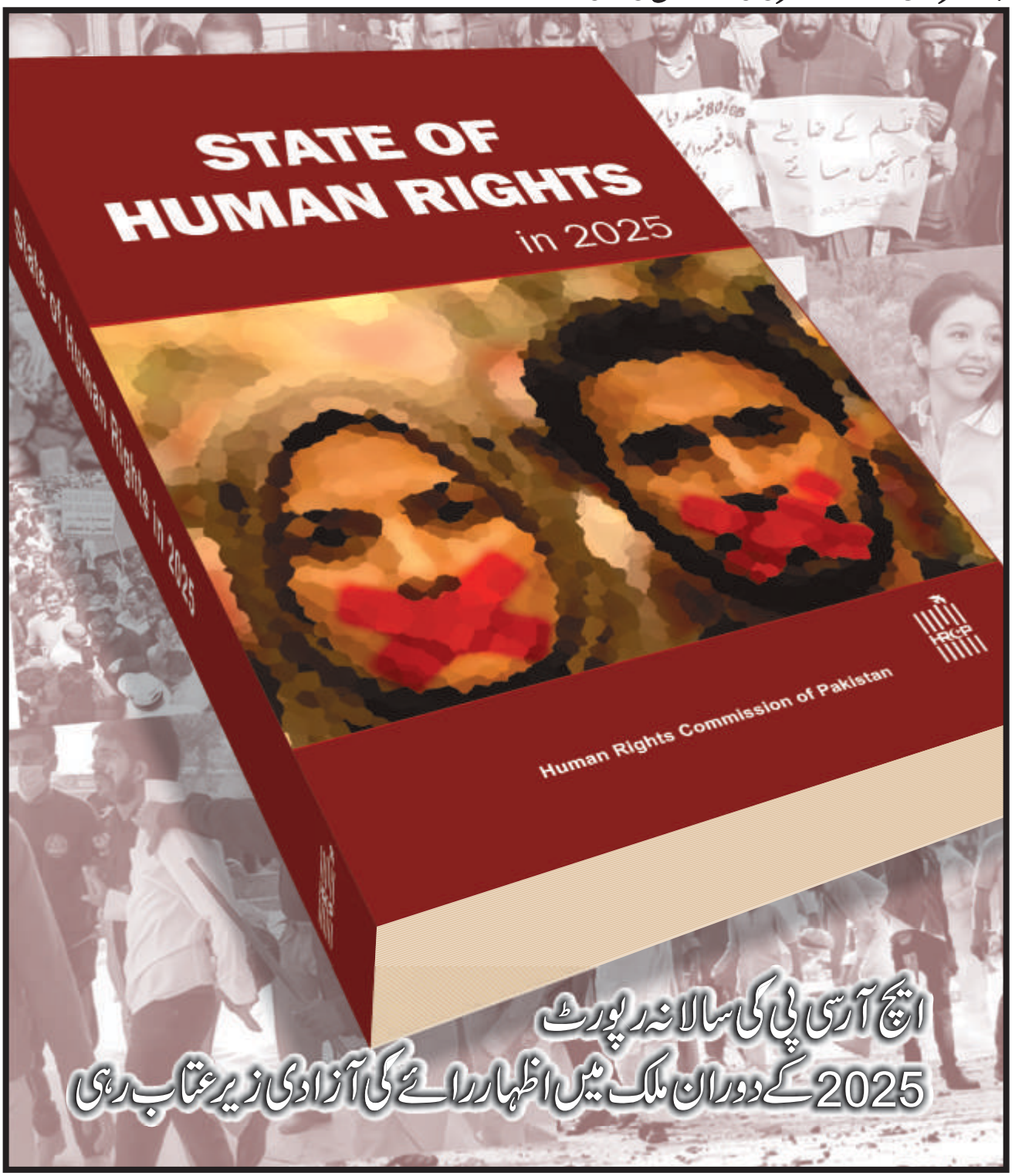

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:								
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال			مہینہ		تاریخ		
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں					محلّہ		
	ڈاک خانہ					تحصیل وضلع		
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں					نہیں		
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)								
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل								

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام		ولد/زوجہ		پیشہ	

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار	
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)		

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟	

دستخط: .....

تاریخ: .....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

فہرست

2025 کے دوران پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال 03

نگرانی کی زد میں، نفرت کے نشانے پر 06

عام انسان 11

اسلام آباد کے پرانے دیہات کی تاحال جاری مسماری کس حد تک بجا 12

باپ مرتے ہی بیٹیاں گھر سے باہر: ہندو خواتین کے وراثت کے حق کا قانون کب بنے گا؟ 13

جلی ہوئی دیواریں اور راکھ سے بھرے گھر 15

معاشی عدم مساوات کا بچپن سے اعلیٰ تعلیم تک زندگی کے ہر موڑ پر گہرا اثر 17

پاکستان میں موسمیاتی تبدیلی: قیمت کون ادا کرتا ہے؟ 18

کوئٹہ ٹرین دہشتگرد حملہ گھناؤنا، بزدلانہ اور قابل مذمت: سلامتی کونسل 19

تنازعات میں جنسی تشدد کے واقعات میں دوگنا اضافہ، یو این رپورٹ 21

سکول سے گھر جانے والے 2 معصوم بچے شہید 22

2025 کے دوران پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال

ہیومن رائٹس واچ کی سالانہ رپورٹ سے اہم نکات

دیہاتی سیلاب زدہ علاقے سے گزر رہے ہیں، ٹھٹھہ ماہلا، ضلع جھنگ، پاکستان، یکم ستمبر 2025 (اے پی فوٹو/رکے ایم چوہدری)

2025 کے دوران پاکستانی حکام نے اختلافِ رائے رکھنے والی آوازوں کو دبانے کے لیے مختلف اقدامات کیے، خاص طور پر میڈیا کی آزادی، سیاسی اپوزیشن اور سول سوسائٹی کے خلاف کریک ڈاؤن میں اضافہ ہوا۔ اس مقصد کے لیے اکثر مبہم، وسیع اور غیر واضح قانونی دفعات استعمال کی گئیں تاکہ حکومت یا ریاستی اداروں پر تنقید کو محدود یا جرم قرار دیا جا سکے۔

مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہینِ مذہب سے متعلق حملوں میں اضافہ دیکھا گیا، جس کی ایک بڑی وجہ امتیازی قوانین کا تسلسل اور حکومتی سطح پر مؤثر کارروائی نہ ہونا قرار دیا جاتا ہے۔ اسی دوران عسکریت پسند گروہوں نے سکیورٹی فورسز اور عام شہریوں پر پرتشدد حملے کیے، جن کے نتیجے میں سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے۔ تاہم، حکومت نے ان حملوں کو جواز بنا کر افغان مہاجرین کی ملک بدری اور انخلاء کی پالیسی کو جاری رکھا، حالانکہ انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے ان مہاجرین کا ان حملوں سے کسی قسم کا تعلق ثابت نہیں ہوا۔

اظہارِ رائے کی آزادی اور سول سوسائٹی پر دباؤ

حکومتی دھمکیوں، نگرانی اور کارروائیوں کے باعث میڈیا اور سول سوسائٹی کے لیے خوف کا ماحول پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں متعدد صحافیوں اور کارکنوں نے خود ساختہ سنسرشپ (self-censorship) اختیار کر لی۔ تنقیدی رپورٹنگ کرنے والے صحافیوں کو ہراسانی، غیر قانونی گرفتاریوں، جبری گمشدگیوں اور جسمانی تشدد جیسے سنگین خطرات کا سامنا رہا۔

جنوری میں قومی اسمبلی نے ''اینٹی ڈس انفارمیشن'' قانون منظور کیا، جس کے تحت آن لائن ''جھوٹی اور گمراہ کن'' معلومات کی اشاعت کو جرم قرار دیا گیا۔ تاہم اس قانون میں ان اصطلاحات کی واضح تعریف موجود نہیں جس کی وجہ سے اس کے غلط استعمال کے خدشات پیدا ہوئے۔ اس قانون کے تحت زیادہ سے زیادہ تین سال قید کی سزا بھی مقرر کی گئی۔

مارچ میں اسلام آباد میں نامعلوم نقاب پوش افراد نے معروف صحافی وحید مراد کو اغوا کیا۔ بعد ازاں انہیں عدالت میں پیش کیا گیا، جہاں ان پر پاکستان کے متنازعہ پریوینشن آف الیکٹرانک کرائمز ایکٹ (پیکا) کے تحت الزامات عائد کیے گئے اور 48 گھنٹے تک حراست میں رکھا گیا۔

اسی ماہ کراچی میں فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی (ایف آئی اے) نے آن لائن میڈیا سے وابستہ کاروباری شخصیت فرحان ملک کو گرفتار کیا۔ بعد ازاں اگست میں نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (این سی آئی اے) نے اسلام آباد میں صحافی خالد جمیل کو ان کے گھر سے گرفتار کیا۔ ان پر پیکا کے تحت ''ریاست مخالف بیانیہ پھیلانے'' اور سوشل میڈیا پر ''جھوٹی، گمراہ کن اور بے بنیاد معلومات'' شائع کرنے کے الزامات عائد کیے گئے۔

حکام نے جنوری سے اگست کے درمیان پیکا کے تحت تقریباً 689 مقدمات درج کیے، جن میں بڑی تعداد صحافیوں کے خلاف تھی۔ اس کے علاوہ حکومت پر تنقید کرنے والے ٹیلی ویژن چینلز کو اپوزیشن ریلیوں کی نشریات کے دوران سگنل کی بندش اور رکاوٹوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

2025 کے دوران کم از کم تین پاکستانی صحافیوں کو قتل کیا گیا، جو ملک میں میڈیا کے لیے موجود خطرناک ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ ان واقعات نے صحافیوں کے تحفظ اور آزادی اظہار کے حق سے متعلق سنگین خدشات کو مزید اجاگر کیا۔

غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) نے حکومتی اداروں کی جانب سے نگرانی، ہراسانی اور دھمکیوں کی شکایات رپورٹ کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کے لیے ریگولیٹری فریم ورک کو مزید سخت کر دیا، جس کے نتیجے میں انسانی حقوق اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کام کرنے والی تنظیموں کی رجسٹریشن اور سرگرمیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔

مذہب کی آزادی اور عقیدے کا حق

پاکستانی حکام نے توہینِ مذہب کے قوانین کا نفاذ جاری رکھا، جن کے بارے میں انسانی حقوق کے ادارے طویل عرصے سے یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ ان کا استعمال اکثر مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور امتیازی کارروائیوں کا جواز فراہم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ان قوانین کے تحت مذہبی اقلیتیں خودسرانہ گرفتاری اور مقدمات کے خطرے سے دوچار رہتی ہیں۔

حالیہ برسوں میں ''توہینِ مذہب'' کے الزامات پر ہجوم اور خود ساختہ انصاف (justice vigilante) کے متعدد پرتشدد واقعات کے باوجود، حکومت ایسے حملوں کے ذمہ داران کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں ناکام رہی ہے، جس سے استثنا اور عدم احتساب کی صورتحال برقرار ہے۔

جون میں انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے ایک رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ توہینِ مذہب کے قوانین کو بلیک میلنگ، مالی فائدے اور ناجائز مفادات کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، اور ان کا نشانہ اکثر غریب اور مذہبی اقلیتیں بنتی ہیں، جنہیں غیر قانونی بے دخلی اور زمینوں پر قبضے جیسے جرائم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کے مطابق کم از کم 450 افراد کو ایک منظّم بلیک میلنگ اور بھتہ خوری کے نیٹ ورک کے ذریعے جھوٹے توہینِ مذہب کے مقدمات میں ملوث کیا گیا۔ یہ صورتِ حال ان قوانین کے غلط استعمال کے منظّم اور ساختی مسائل کی نشاندہی کرتی ہے۔

جولائی میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت کو حکم دیا کہ وہ 30 دن کے اندر ایک کمیشن تشکیل دے جو توہینِ مذہب کے قوانین کے بڑھتے ہوئے غلط استعمال کی تحقیقات کرے۔ تاہم دسمبر تک بھی یہ کمیشن قائم نہیں کیا گیا، جس سے ریاستی عدم توجہی اور تاخیر کے خدشات مزید بڑھ گئے۔

احمدی برادری کے اراکین کو خصوصی طور پر توہینِ مذہب کے قوانین اور احمدیوں کے خلاف مخصوص امتیازی قانون سازی کے تحت نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اپریل میں کراچی میں ایک ہجوم نے احمدی عبادت گاہ کو گھیرے میں لے کر ایک احمدی شہری لیاقت چیمہ کو تشدد کر کے ہلاک کر دیا۔ مئی میں پنجاب کے ضلع سرگودھا میں ایک احمدی ڈاکٹر، ڈاکٹر شیخ محمود، کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔

مزید برآں، عسکریت پسند گروہ اور مذہبی سیاسی جماعت تحریکِ لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) احمدی برادری پر یہ الزام عائد کرتے رہے کہ وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جسے پاکستان کے قانون کے تحت ایک مجرمانہ عمل تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بیانیہ مذہبی اقلیتوں کے خلاف سماجی دشمنی اور تشدد کے خطرات کو مزید بڑھاتا ہے۔

دہشت گردی، انسدادِ دہشت گردی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی زیادتیاں

پاکستان میں متعدد عسکری گروہوں، جن میں تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی)، دولت اسلامی خراسان (آئی ایس کے پی)، القاعدہ، بلوچ لبریشن آرمی (بی ایل اے) اور ان کے ذیلی گروہ شامل ہیں، نے خودکش حملوں اور دیگر پرتشدد کارروائیوں کے ذریعے سکیورٹی اہلکاروں اور شہریوں کو نشانہ بنایا، جن کے نتیجے میں سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے۔

مارچ میں بلوچ لبریشن آرمی نے پشاور سے کوئٹہ جانے والی ایک مسافر ٹرین پر حملہ کر کے اسے ہائی جیک کیا اور 28 افراد کو قتل کیا، جن میں 21 عام شہری شامل تھے۔ مئی میں بلوچستان کے ضلع خضدار میں اسکول بس پر ایک خودکش حملے کے نتیجے میں 8 افراد ہلاک ہوئے، جن میں 4 بچے شامل تھے۔ یہ واقعات شہری آبادی اور بنیادی تعلیم کے اداروں کے تحفظ سے متعلق سنگین انسانی حقوقی خدشات کو اجاگر کرتے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی سنگین انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے مرتکب پائے گئے، جن میں غیر قانونی اور اور ماورائے عدالت قتل شامل ہیں۔ اکثر صورتوں میں حکام نے انسدادِ دہشت گردی کارروائیوں سے متعلق معلومات تک سول سوسائٹی اور آزاد میڈیا کی رسائی محدود رکھی، جس کے نتیجے میں شفافیت اور جوابدہی کے مسائل پیدا ہوئے۔

جولائی میں پولیس نے بلوچستان کے علاقے گوادر کی طرف مارچ کرنے والے احتجاجی مظاہرین کو گرفتار کیا، جن میں سے متعدد کو بغیر فردِ جرم عائد کیے احتیاطی عوامی نظم و ضبط کے قوانین کے تحت حراست میں رکھا گیا۔ سال بھر حکام نے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں فون اور انٹرنیٹ سروسز معطل کیں تاکہ احتجاجی سرگرمیوں کو محدود کیا جا سکے، جس سے معلومات تک رسائی اور اظہارِ رائے کی آزادی متاثر ہوئی۔

مئی میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ 9 مئی 2023 کے پرتشدد احتجاجی واقعات میں ملوث شہریوں پر فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ ان کارروائیوں کو خفیہ طور پر انجام دیا گیا اور ان میں منصفانہ ٹرائل کے بنیادی اصولوں، جیسے کہ شفافیت اور دفاع کے حق کو محدود کیا گیا۔ ان عدالتوں نے پہلے سے زیرِ حراست 85 شہریوں کے خلاف فیصلے سنائے۔

منصفانہ عدالتی کارروائی سے متعلق سنگین خدشات کے باوجود، ستمبر میں انسدادِ دہشت گردی عدالت نے 18 افراد کو، جن میں پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے متعدد ارکان اور فیشن ڈیزائنر خدیجہ شاہ شامل تھیں، 9 مئی 2023 کے احتجاج کے دوران پولیس گاڑی کو آگ لگانے کے الزام میں 10 سال تک قید کی سزائیں سنائیں۔

مہاجرین کے خلاف اقدامات اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

حکام نے پاکستان میں موجود افغان مہاجرین کو ملک میں عسکریت پسند حملوں میں اضافے کا ذمہ دار قرار دیا، جس کے نتیجے میں لاکھوں افغان شہریوں کی ملک بدری اور جبری واپسی کے لیے ایک جواز فراہم کیا گیا۔ ان میں وہ افراد بھی شامل تھے جو کئی دہائیوں سے پاکستان میں مقیم تھے۔

غیر دستاویز افغان شہری خاص طور پر پولیس اور مقامی حکام کی جانب سے بدسلوکی، ہراسانی اور استحصال کے زیادہ خطرے میں رہے۔

حکومت کا ''غیر قانونی غیر ملکیوں کی واپسی کا منصوبہ'' (Illegal Foreigners Repatriation Plan) منظّم طور پر افغان شہریوں کو نشانہ بناتا رہا، جس کا آغاز غیر رجسٹرڈ افراد سے ہوا اور بعد ازاں اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین (یو این ایچ سی آر) کی جانب سے جاری کردہ پروف آف رجسٹریشن (پی او آر) کارڈ رکھنے والوں تک اس کا دائرہ بڑھا دیا گیا۔

جولائی میں اس مہم میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا جب

حکام نے پی او آر کارڈ رکھنے والے مہاجرین کو بھی ملک بدری کا نشانہ بنایا حالانکہ انہیں بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ تحفظ حاصل تھا۔

2025 کے دوران کم از کم 531,700 افغان شہریوں کو پاکستان چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ صرف اگست میں 145,200 افغان شہری واپس گئے، جن میں سے 54 فیصد ایسے افراد تھے جو پہلے قانونی تحفظ کارڈ (پی او آر) رکھتے تھے۔ ستمبر سے اپریل کے دوران حکام نے 57,300 سے زائد افغان شہریوں کو گرفتار اور حراست میں لیا، جن میں تسلیم شدہ مہاجرین بھی شامل تھے۔

خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد

حکام نے خواتین اور لڑکیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر ہونے والے تشدد سے نمٹنے کے لیے مؤثر اور نتیجہ خیز اقدامات نہیں کیے۔ ان خلاف ورزیوں میں عصمت دری، قتل، تیزاب گردی، گھریلو تشدد، تعلیم سے محرومی، کام کی جگہ پر جنسی ہراسانی، اور کم عمری و جبری شادی جیسے سنگین مسائل شامل ہیں۔ جولائی میں بلوچستان میں ''غیرت کے نام پر قتل'' کی ایک مبینہ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد ملک بھر میں شدید عوامی ردعمل سامنے آیا۔ اس واقعے کے بعد پولیس نے درجن سے زائد مشتبہ افراد کو گرفتار کیا۔ بعد ازاں تقریباً دو درجن افراد کے خلاف فوجداری مقدمہ درج کیا گیا، جن میں ایک قبائلی سردار بھی شامل تھا جس پر الزام تھا کہ اس نے قتل کا حکم دیا تھا۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے مطابق، ایک آزاد انسانی حقوق نگرانی ادارے کے طور پر، جنوری سے مئی 2025 کے دوران کم از کم 268 افراد، جن میں 155 خواتین شامل تھیں، ''غیرت'' کے نام پر قتل کیے گئے۔ یہ اعداد و شمار صنفی بنیاد پر تشدد کی سنگینی اور اس کے وسیع پیمانے پر پھیلاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔

ستمبر میں لاہور ہائی کورٹ کے ایک متنازع فیصلے میں قرار دیا گیا کہ اسلامی قانون کے تحت بلوغت کے بعد کیا گیا نکاح قانونی طور پر درست ہے، چاہے وہ پنجاب میں لڑکیوں کے لیے مقرر کردہ 16 سال کی قانونی عمر سے کم عمر میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس فیصلے نے کم عمر شادی اور بچوں کے حقوق کے تحفظ سے متعلق خدشات کو مزید بڑھا دیا۔

اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق پاکستان میں 1 کروڑ 89 لاکھ خواتین اور لڑکیاں 18 سال کی عمر سے پہلے شادی شدہ تھیں، جن میں 46 لاکھ لڑکیاں 15 سال کی عمر سے پہلے ہی شادی کے بندھن میں بندھ گئیں۔ ان میں سے کئی کو خطرناک کم عمری میں حمل اور زچگی جیسے صحت کے سنگین خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کو خاص طور پر جبری شادی اور جبری مذہب کی تبدیلی کے خطرات لاحق رہے، جس نے ان کی سماجی اور قانونی کمزوری کو مزید نمایاں کیا۔ 2025 کی ایک اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دو میں سے تین خواتین تولیدی خودمختاری (reproductive autonomy) سے محروم ہیں اور انہیں اپنی تولیدی صحت سے متعلق فیصلوں میں دباؤ، زبردستی اور بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یونیسف کے مطابق پاکستان میں 7 ملین سے زائد پرائمری اور 14 ملین سیکنڈری اسکول جانے کی عمر کے بچے تعلیم سے باہر ہیں، جن میں اکثریت لڑکیوں کی ہے۔ اس کی وجوہات میں سماجی دباؤ، غربت، بچوں سے مشقت، اور صنفی امتیاز شامل ہیں۔

پاکستان عالمی صنفی تفاوت (Global Gender Gap Index) میں 148 ممالک میں آخری نمبر پر رہا، جو صنفی مساوات کے حوالے سے گہری ساختی کمزوریوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

معاشی حقوق اور موسمیاتی تبدیلی

اگست میں پاکستان میں آنے والے تباہ کن سیلابوں کے نتیجے میں کم از کم 900 افراد ہلاک ہوئے، جبکہ تقریباً 40 لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ ان سیلابوں نے ہزاروں ایکڑ زرعی زمین کو تباہ کر دیا اور بنیادی ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچایا۔ یہ قدرتی آفات معاشی، سماجی اور انسانی ترقی کے لیے سنگین بحران کی شکل اختیار کر گئیں۔

پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جو موسمیاتی بحران سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ یہاں درجہ حرارت میں اضافے کی شرح عالمی اوسط سے کہیں زیادہ ہے، اور شدید نوعیت کے موسمی واقعات بار بار پیش آ رہے ہیں۔ یہ حالات خاص طور پر کمزور اور حاشیے پر موجود آبادیوں کے لیے زیادہ خطرناک ہیں، جو پہلے ہی محدود وسائل اور کمزور سماجی تحفظ کے نظام پر انحصار کرتی ہیں۔

یہ سیلاب پاکستان کے جاری معاشی بحران کو مزید سنگین بنانے کا خدشہ رکھتے ہیں۔ وفاقی آمدنی کا تقریباً 48 فیصد صرف قرضوں کی ادائیگی (servicing debt) میں صرف ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں صحت، تعلیم اور سماجی خدمات کے لیے وسائل انتہائی محدود رہ جاتے ہیں۔

مئی میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے پاکستان کے مالیاتی پروگرام کا پہلا جائزہ مکمل کیا۔ اس پروگرام کے تحت نافذ کی گئی سخت معاشی شرائط نے ایندھن، بجلی اور دیگر بنیادی ضروریات کی قیمتوں میں اضافہ کیا جبکہ انسانی حقوق کے تحفظ اور کمزور طبقات کو بچانے کے لیے مناسب حفاظتی اقدامات ناکافی رہے۔

سیلاب اور آئی ایم ایف کی شرائط دونوں نے پاکستان کے محدود سماجی تحفظ کے نظام پر شدید دباؤ ڈالا ہے، جس میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) بھی شامل ہے۔ یہ پروگرام انتہائی غربت میں رہنے والی خواتین کو نقد امداد فراہم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے، لیکن بڑھتی ہوئی مہنگائی اور قدرتی آفات نے اس کی مؤثریت کو متاثر کیا ہے۔

جنسی رجحان اور صنفی شناخت

پاکستان کے قانونی نظام کے تحت مردوں کے درمیان ہم جنس جنسی تعلقات اب بھی مجرمانہ جرم تصور کیے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں مردوں کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے والے افراد اور ٹرانسجینڈر خواتین پولیس بدسلوکی، تشدد اور امتیازی سلوک کے شدید خطرے میں رہتے ہیں۔

خواجہ سراء خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات بھی جاری رہے۔ 2025 میں خیبر پختونخوا میں کم از کم آٹھ خواجہ سراء خواتین کو قتل کیا گیا، جبکہ بیشتر کیسز میں حکام کی جانب سے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں ناکامی دیکھی گئی۔ ستمبر میں کراچی میں تین خواجہ سراء خواتین کو نامعلوم حملہ آوروں نے قتل کر دیا۔

اگرچہ 2018 میں اگرچہ خواجہ سراء افراد کے حقوق سے متعلق ایک قانون منظور کیا گیا تھا اور شناختی کارڈز کے اجرا جیسے بعض اقدامات پر عمل درآمد ہوا، تاہم صحت، روزگار اور سماجی سطح پر امتیازی سلوک بدستور جاری رہا، جس سے اس کمیونٹی کی مجموعی سماجی شمولیت محدود رہی۔

بین الاقوامی عناصر

جنوری میں یورپی یونین کے انسانی حقوق کے لیے خصوصی نمائندے نے پاکستان کے دورے کے دوران خبردار کیا کہ پاکستان کو اپنے جی ایس پی پلس تجارتی درجے کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ تجارتی مراعات انسانی حقوق کے احترام سے مشروط ہیں۔

نومبر میں یورپی یونین کا ایک مانیٹرنگ مشن پاکستان میں تعینات کیا گیا تاکہ ملک کی انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی ذمہ داریوں پر عمل درآمد کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس عمل کو پاکستان کی انسانی حقوق کی کارکردگی کی نگرانی اور جوابدہی کے تناظر میں اہم قرار دیا گیا۔

(بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

نگرانی کی زد میں، نفرت کے نشانے پر

پاکستان اور بھارت میں نوجوان شناخت اور نفرت انگیزی کے درمیان اپنی راہیں کیسے تلاش کر رہے ہیں

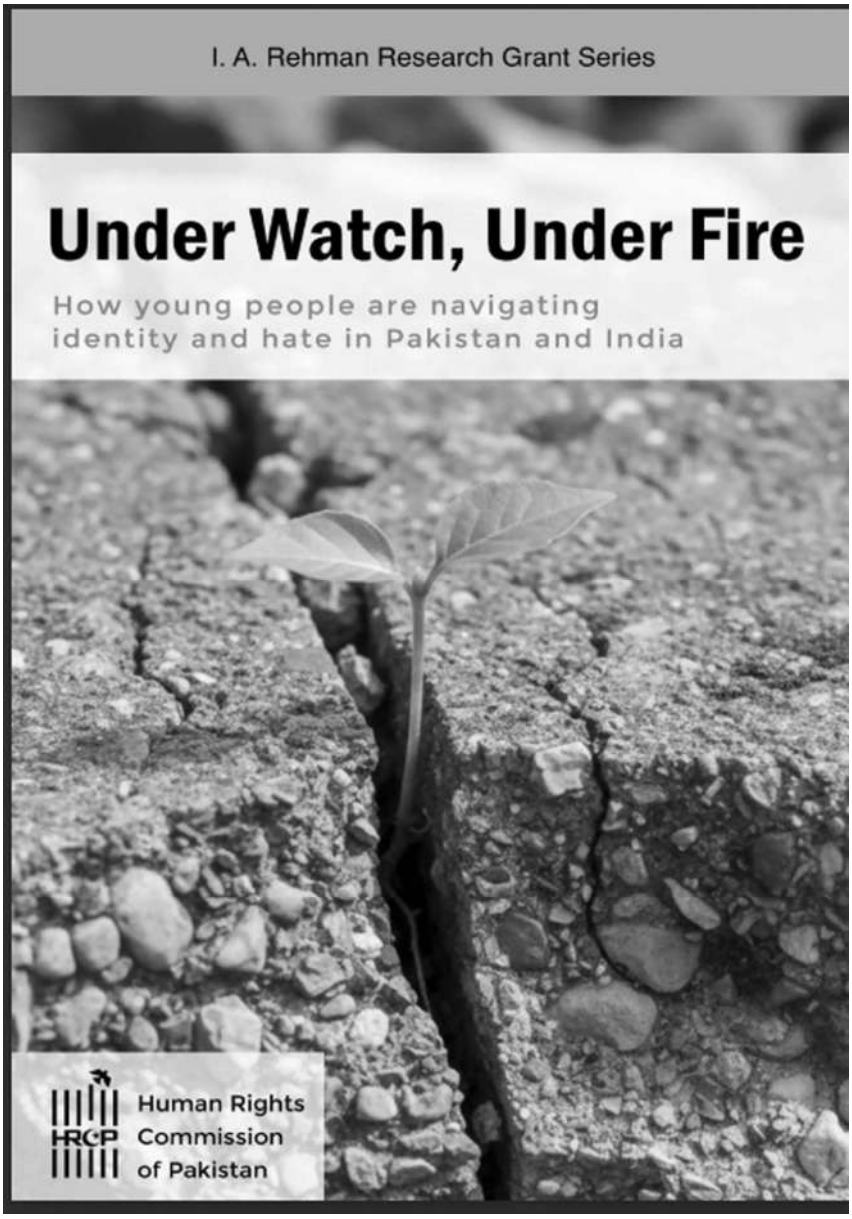

تعارف

جنوبی ایشیا میں نسلی و مذہبی قوم پرستی کے دوبارہ عروج نے سیاسی بیانیے، سماجی تعلقات اور روزمرہ زندگی کی تشکیل میں فیصلہ کن قوت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ بھارت اور پاکستان دونوں میں یہ بیانیے بڑھتی ہوئی حد تک ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر گردش کر رہے ہیں، جہاں نوجوان محض غیر فعال سامعین نہیں بلکہ فعال کردار ادا کرنے والے افراد ہیں۔ وہ ان نظریات کو نہ صرف استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کی نئی تشریحات پیش کرتے ہیں، ان پر تنقید کرتے ہیں، اور بعض اوقات انہیں مزید فروغ بھی دیتے ہیں۔ یہ عمل ذاتی اور سیاسی دائروں کے درمیان موجود سرحدوں کو دھندلا دیتا ہے۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نئی عوامی مجالس (Public Squares) کی شکل اختیار کر چکے ہیں، جہاں تاریخ کی مختلف تعبیرات پر بحث ہوتی ہے، "دوسرے" (Othering) کو معمول بنایا جاتا ہے، اور سیاسی سرگرمیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تاہم، ڈیجیٹل دنیا دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔ وہی ذرائع جو امتیازی اور اخراجی بیانیوں کو پھیلانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، ریاستی سنسرشپ سے بچنے اور سرحدوں کے آر پار بے مثال روابط قائم کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

اس مضمون میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے نوجوان نسلی و مذہبی قوم پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو کس طرح سمجھتے ہیں اور ان سے کس انداز میں پیش آ رہے ہیں۔ اس تناظر میں سوشل میڈیا اور دیگر آن لائن پلیٹ فارمز کے کردار پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، جو ان رویّوں اور رجحانات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

سرحد پار کیے گئے ایک آن لائن سروے سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر، یہ مضمون نوجوانوں کے میڈیا کے استعمال، ڈیجیٹل سرگرمی (Activism Digital) اور اپنی ذات کے اظہار (Self-Expression) کے ابھرتے ہوئے رجحانات کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، دونوں قومی تناظرات میں موجود مماثلتوں اور اختلافات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

محض بڑھتی ہوئی تقسیم اور گروہ بندی (Polarisation) کی تشخیص تک محدود رہنے کے بجائے، یہ مضمون تعمیری اور مثبت راستوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ نوجوانوں کے متنوع اور باریک بین نقطہ نظر کا تجزیہ کرتے ہوئے، یہ سرحد پار مکالمے اور نوجوانوں کی قیادت میں تشکیل پانے والے ایسے متبادل بیانیوں (Counter-Narratives) کے مواقع کو نمایاں کرتا ہے جو دیوار سے لگانے کے عمل، امتیازی سلوک اور سماجی اخراج کو چیلنج کرتے ہیں۔

آخر میں، یہ مضمون مختلف اہم فریقین — بشمول پالیسی سازوں، سول سوسائٹی کے رہنماؤں اور ٹیکنالوجی کمپنیوں — کے لیے قابلِ عمل اور عملی سفارشات پیش کرتا ہے۔ ان سفارشات کا مقصد ڈیجیٹل فضا کو تنازع اور نفرت کے میدان سے نکال کر کے ایک ایسے پلیٹ فارم میں ڈھالنا ہے جو پائیدار امن، باہمی احترام اور انسانی حقوق کے فروغ میں معاون ثابت ہو۔

پس منظر

مذہبی قوم پرستی اور شناخت پر مبنی سیاست طویل عرصے سے جنوبی ایشیا کے سماجی اور سیاسی منظرنامے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہے جو ایک ایسے خطے کے لیے فطری امر ہے جو نسلی، لسانی اور مذہبی اعتبار سے انتہائی متنوع ہے۔ تاہم، حالیہ برسوں میں یہ رجحانات تشویش ناک حد تک شدت اختیار کر گئے ہیں۔

پاکستان میں یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں نے مذہبی جذبات کو سیاسی مقاصد کے لیے نمایاں طور پر استعمال کیا ہے اور بعض مواقع پر انتہا پسند گروہوں کے مطالبات کے سامنے پسپائی اختیار کی ہے۔ مثال کے طور پر، آسیہ بی بی کے توہینِ رسالت کے مقدمے کے تناظر میں ہونے والے احتجاجی مظاہروں کے دوران حکومت نے تحریکِ لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کی جانب سے کی جانے والی پرتشدد احتجاجی سرگرمیوں کے دباؤ کو قبول کیا۔ اس طرح کے واقعات ریاستی پالیسی، مذہبی جذبات اور انسانی حقوق کے تحفظ کے درمیان موجود پیچیدہ تعلقات کو اجاگر کرتے ہیں۔

اسی طرح، 2019 میں بھارت میں بھی مذہبی قوم پرستی کے رجحان کو مزید تقویت ملی۔ فروری 2019 میں جیشِ محمد کی جانب سے پلوامہ حملے کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے عام انتخابات کی انتخابی مہم کے دوران قوم پرستانہ بیانیے پر نمایاں غلبہ حاصل کیا۔ پارٹی کے متعدد رہنماؤں نے ووٹروں کو اپنی قوم پرستانہ وابستگی کو بی جے پی کی سیاسی حمایت میں تبدیل کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد متعدد ایسے قانونی اور پالیسی اقدامات کیے گئے جنہیں ناقدین نے شہریت، شناخت اور مساوی حقوق کے تصورات کو ہندو اکثریتی نقطہ نظر کے مطابق ازسرِنو تشکیل دینے کی کوشش قرار دیا۔

اگست 2019 میں بھارتی حکومت نے آئین کے آرٹیکل 370 کو منسوخ کر دیا، جو جموں و کشمیر کو بھارتی وفاق کے اندر خصوصی خودمختار حیثیت فراہم کرتا تھا، جبکہ آرٹیکل 35A بھی ختم کر دیا گیا، جو ریاست کو مستقل باشندوں اور ان کے متعلقہ حقوق و مراعات کی تعریف کا اختیار دیتا تھا۔ انسانی حقوق کے متعدد ماہرین اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے اس اقدام کے سیاسی نمائندگی، خود اختیاری اور شہری حقوق پر ممکنہ اثرات کے حوالے سے خدشات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد نومبر 2019 میں ایودھیا سے متعلق عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے تحت متنازع زمین مندر کی تعمیر کے لیے مختص کر دی گئی۔ اگرچہ اس فیصلے کو عدالتی تنازع کے خاتمے کے طور پر پیش کیا گیا، تاہم اس نے مذہبی اقلیتوں کے حقوق، مساوی شہریت اور مذہبی آزادی کے حوالے سے وسیع تر مباحث کو بھی جنم دیا۔

دسمبر 2019 میں شہریت ترمیمی قانون کی منظوری نے بھارتی شہریت کے قانون میں ایک بنیادی تبدیلی متعارف کروائی، کیونکہ اس نے پہلی مرتبہ مذہب کو شہریت کے حصول کے لیے ایک واضح معیار کے طور پر شامل کیا۔ اس قانون کے تحت تین ہمسایہ ممالک سے تعلق رکھنے والی چھ مذہبی برادریوں کو تیز تر طریقہ کار کے ذریعے شہریت حاصل کرنے کی سہولت دی گئی جبکہ مسلمانوں کو اس دائرہ کار سے خارج رکھا گیا۔ ناقدین، انسانی حقوق کے کارکنان اور قانونی ماہرین کے مطابق یہ قانون آئین میں درج مساوات، عدم امتیاز اور سیکولر ازم کے اصولوں سے متصادم ہو سکتا ہے، اور اس کے ممکنہ اثرات مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور مساوی شہری حیثیت کے حوالے سے سنجیدہ خدشات کو جنم دیتے ہیں۔

شہریت ترمیمی قانون (سی اے اے) کے خلاف بھارت بھر میں وسیع پیمانے پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ ان میں سب سے نمایاں شاہین باغ کا دھرنا تھا، جہاں مظاہرین نے مسلسل پچاس دن سے زائد عرصے تک پرامن احتجاج جاری رکھا، اور یہ تحریک شہری مزاحمت اور جمہوری اظہارِ رائے کی ایک اہم علامت بن گئی۔

تاہم، ان احتجاجی سرگرمیوں کے جواب میں بعض حکومتی اور سیاسی شخصیات کی جانب سے نفرت انگیز اور اشتعال انگیز بیانات سامنے آئے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) سے وابستہ ایک وزیر نے ایک عوامی اجتماع میں ''غداروں کو گولی مارو'' کے نعرے لگوائے، جبکہ ایک رکنِ پارلیمان نے دعویٰ کیا کہ شاہین باغ کے مظاہرین دہلی کے رہائشیوں کے خلاف جنسی تشدد اور قتل کے ارادے رکھتے ہیں۔ انسانی حقوق کے مبصرین کے مطابق اس نوعیت کی زبان عوامی مکالمے میں نفرت، تعصب اور سماجی تقسیم کو فروغ دینے کا سبب بن سکتی ہے۔

ان بیانات کے بعد شاہین باغ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی دونوں مقامات پر مظاہرین کو نشانہ بناتے ہوئے فائرنگ کے متعدد واقعات پیش آئے جس سے احتجاج کے حق، شہری سلامتی اور آزادی اظہار کے تحفظ سے متعلق سنگین خدشات پیدا ہوئے۔

2024 میں ریاست اتراکھنڈ بھارت کی پہلی ریاست بنی جس نے یکساں سول کوڈ نافذ کیا۔ اس قانون کے تحت شادی، طلاق اور وراثت جیسے خاندانی معاملات میں مذہب سے بالاتر یکساں قانونی ضوابط متعارف کروائے گئے۔ حکومت نے اس قانون کو ''مساوات، یکسانیت اور مساوی حقوق'' کے فروغ کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا، تاہم اپوزیشن جماعتوں نے اسے مذہبی بنیادوں پر معاشرتی تقسیم پیدا کرنے کی سیاسی کوشش قرار دیا۔ دوسری جانب متعدد مسلم تنظیموں نے اس قانون کو شریعت کے اصولوں سے متصادم قرار دیتے ہوئے اس پر اعتراضات اٹھائے۔ اس بحث نے مذہبی آزادی، ثقافتی حقوق، اقلیتی شناخت اور قانون کے سامنے مساوات کے درمیان توازن سے متعلق اہم سوالات کو جنم دیا۔

ادھر پاکستان میں بھی آنے والے برسوں کے دوران فرقہ وارانہ بنیادوں پر تشدد اور خود ساختہ نگرانی (vigilantism) کے واقعات میں اضافہ دیکھا گیا۔ خصوصاً احمدیہ برادری کے خلاف حملوں اور توہینِ مذہب کے الزامات کے استعمال میں اضافہ رپورٹ کیا گیا، جس کے نتیجے میں مذہبی آزادی، عقیدے کے حق اور اقلیتی برادریوں کے تحفظ کے حوالے سے تشویش بڑھی۔

مزید برآں، نومبر 2024 میں ضلع کرم میں فرقہ وارانہ تشدد بھڑک اٹھا جس کے نتیجے میں پچاس سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ اس واقعے نے مذہبی و فرقہ وارانہ کشیدگی کے انسانی جانوں، سماجی ہم آہنگی اور مقامی امن پر گہرے اثرات کو نمایاں کیا۔

اپریل 2025 میں کشمیر کے علاقے پہلگام میں ہندو سیاحوں پر ہونے والے دہشت گرد حملے نے بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحد پار کشیدگی کو دوبارہ ہوا دی۔ اس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے درمیان فوجی تصادم ہوا، جسے بعدازاں ''چار روزہ جنگ'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس واقعے نے ایک مرتبہ پھر یہ واضح کیا کہ مذہبی قوم پرستی اور شناخت پر مبنی سیاست نہ صرف داخلی سماجی و سیاسی استحکام کو متاثر کرتی ہے بلکہ علاقائی امن، سلامتی اور بین الاقوامی تعلقات پر بھی گہرے اثرات مرتب کر سکتی ہے۔

سفارشات

پالیسی سازوں اور حکومتی اداروں سے مندرجہ ذیل سفارشات کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

- **قانونی تحفظات اور قانون کے نفاذ کو مضبوط بنایا جائے**

بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کو چاہیے کہ مذہبی اور نسلی امتیاز، نفرت انگیزی اور تشدد کے خلاف موجود قوانین پر مؤثر اور غیر جانبدارانہ عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔

پاکستان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ توہینِ مذہب اور انسدادِ دہشت گردی کے قوانین کے ایسے استعمال کو روکا جائے جو اقلیتی برادریوں یا دیگر پسماندہ اور کمزور گروہوں کے حقوق کو متاثر کرتا ہو۔ بھارت میں اس کے لیے نفرت پر مبنی جرائم اور ہجوم کے تشدد کے خلاف قوانین کے مؤثر نفاذ کو یقینی بنانا ضروری ہے، بشمول ہجوم کے ہاتھوں قتل (Lynching) کے واقعات کی فوری، شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات۔

پولیس، پراسیکیوشن اور عدلیہ کے لیے مذہبی تنوع، انسانی حقوق اور بین المذاہب حساسیت سے متعلق تربیتی پروگرام متعارف کروانے سے اقلیتی برادریوں کے اعتماد میں اضافہ ہو سکتا ہے اور ان کے تحفظ کے احساس کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

- **جامع اور شمولیتی عوامی پالیسیوں کو فروغ دیا جائے**

دونوں حکومتوں کو ایسی پالیسیوں کا جائزہ لینا چاہیے جو کسی بھی مذہبی، نسلی یا ثقافتی گروہ کو حاشیے پر دھکیلنے کا سبب بن سکتی ہوں، اور ان کی جگہ ایسی حکمتِ عملیاں اپنانی چاہئیں جو تنوع، تکثیریت اور مساوی شہریت کو فروغ دیں۔

مثال کے طور پر، بھارت کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں کو اپنے سرکاری بیانیے اور نصاب میں ملک کی سیکولر بنیادوں، جمہوری اقدار اور تاریخی تنوع کو زیادہ مؤثر انداز میں اجاگر کرنا چاہیے، تاکہ ان خدشات کا ازالہ کیا جا سکے کہ سیکولرزم اور تکثیری شناخت کمزور ہو رہی ہے۔

اسی طرح پاکستان کی حکومت کو آئین میں درج اقلیتوں کے حقوق اور تحفظ سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو مزید مضبوط بنانا چاہیے، بشمول اقلیتی عبادت گاہوں اور مذہبی مقامات کی مؤثر حفاظت کو یقینی بنانا۔ ریاستی اداروں کو بین المذاہب مکالموں، ثقافتی تقریبات اور مشترکہ سماجی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ ایک زیادہ جامع اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے۔

- **بین المذاہب اور بین النسلی مشاورتی کونسلیں قائم کی جائیں**

قومی اور مقامی سطح پر رسمی مشاورتی ادارے، جیسے کہ بین المذاہب کمیشن یا اقلیتی حقوق کے محتسب قائم کیے جانے چاہئیں تاکہ مکالمے، مشاورت اور جوابدہی کے مؤثر ذرائع فراہم کیے جا سکیں۔

مختلف مذہبی، نسلی اور ثقافتی برادریوں کے نمائندوں کو حکومتی عہدیداروں کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر لانا شکایات اور تنازعات کو شدت اختیار کرنے سے پہلے حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ ایسے ادارے نفرت پر مبنی جرائم کی نگرانی، رجحانات کے تجزیے اور پالیسی اصلاحات کے لیے سفارشات مرتب کرنے میں بھی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر، مشترکہ بھارت-پاکستان یا علاقائی سطح کا فورم — خواہ غیر سرکاری نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو — مذہبی آزادی، اقلیتوں کے تحفظ اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے مشترکہ اصول وضع کرنے اور بہترین تجربات کے تبادلے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

- **کمیونٹی کی سطح پر تحفظ اور امن سازی کے اقدامات کی حمایت کی جائے**

حکومتی پالیسیوں کو ایسے مقامی اقدامات کی حوصلہ افزائی اور معاونت کرنی چاہیے جو سماجی کشیدگی اور فرقہ وارانہ تنازعات کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔

اس مقصد کے لیے مقامی رہنماؤں کی شمولیت کے ساتھ کمیونٹی پولیسنگ پروگراموں، امن کمیٹیوں اور فوری ردِعمل کی ٹیموں کے لیے وسائل فراہم کیے جا سکتے ہیں، جو کسی بھی فرقہ وارانہ یا نسلی کشیدگی کی صورت میں فوری مداخلت کر کے تنازع کے پھیلاؤ کو روک سکیں۔

مزید برآں، ایسے محلوں اور علاقوں میں جہاں مختلف مذہبی یا نسلی گروہ آباد ہیں، مشترکہ عوامی مقامات — جیسے پارکس، تعلیمی ادارے، کھیلوں کے مراکز اور مارکیٹیں — قائم اور محفوظ کی جانی چاہئیں تاکہ مختلف برادریوں کے درمیان رابطہ، اعتماد اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکے اور علیحدگی یا سماجی تقسیم کے رجحانات کو کم کیا جا سکے۔

- **ڈیجیٹل حکمرانی اور نگرانی کے نظام کو بہتر بنایا جائے**

حکومتوں کو ٹیکنالوجی کمپنیوں، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اور دیگر متعلقہ اداروں کے ساتھ مل کر آن لائن نفرت انگیزی، امتیازی مواد اور غلط معلومات کے پھیلاؤ سے نمٹنے کے لیے مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔

اس مقصد کے لیے ایسے ضوابط متعارف کروائے یا مؤثر طور پر نافذ کیے جا سکتے ہیں جو ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کو نفرت انگیز مواد کی شناخت، نگرانی اور ہٹانے سے متعلق شفافیت رپورٹیں شائع کرنے کا پابند بنائیں۔

اسی طرح، ریاستی سرپرستی میں ڈیجیٹل خواندگی اور میڈیا آگاہی کے پروگرام متعارف کروانے چاہئیں تاکہ شہری خصوصاً نوجوان سوشل میڈیا، واٹس ایپ اور دیگر آن لائن ذرائع پر پھیلائی جانے والی غلط معلومات، نفرت انگیز بیانیوں اور اشتعال انگیز پروپیگنڈے کی نشاندہی اور تنقیدی جانچ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

ان اقدامات کا مقصد آزادی اظہار کے حق کا احترام کرتے ہوئے ایک ایسا ڈیجیٹل ماحول تشکیل دینا ہونا چاہیے جو انسانی وقار، مساوات، عدم امتیاز، سماجی ہم آہنگی اور پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کو فروغ دے۔

تعلیمی اداروں اور نصاب ساز اداروں کے لیے سفارشات

- **نصاب میں تنوع، شمولیت اور انسانی حقوق کی اقدار کو شامل کیا جائے**

اسکولوں اور جامعات کو مذہبی، ثقافتی اور نسلی تنوع کو بنیادی سماجی اقدار کے طور پر فروغ دینا چاہیے۔ بھارت اور پاکستان میں نصاب تیار کرنے والے ادارے مختلف مذہبی، نسلی اور ثقافتی برادریوں کی تاریخ، خدمات اور معاشرے میں کردار سے متعلق جامع تعلیمی مواد تیار کریں، خصوصاً ان گروہوں پر توجہ دیتے ہوئے جو تاریخی طور پر حاشیے پر رہے ہیں۔

درسی کتب اور تدریسی سرگرمیوں میں تعصب، امتیازی سلوک اور عدم مساوات جیسے موضوعات کو براہِ راست زیرِ بحث لایا جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر، ذات پات کی بنیاد پر امتیاز، رنگت کی بنیاد پر تعصب، فرقہ واریت اور دیگر امتیازی رویّوں کے منفی اثرات پر مبنی مباحث طلبہ میں تنقیدی شعور اور احترامِ انسانیت کو فروغ دے سکتے ہیں۔

اسی طرح، مختلف برادریوں کے درمیان تعاون، یکجہتی اور مشترکہ کامیابیوں کی مثبت مثالوں کو نصاب کا حصہ بنایا جانا چاہیے تاکہ نوجوانوں کے لیے تعمیری اور شمولیتی رول ماڈلز فراہم کیے جا سکیں۔

- **تعلیمی اداروں میں محفوظ اور باعزت مکالمے کے مواقع فراہم کیے جائیں**

تعلیمی اداروں کو بین المذاہب، بین الثقافتی اور بین النسلی مکالمے کے لیے محفوظ اور باعزت ماحول فراہم کرنا چاہیے۔ جامعات اور اسکول مختلف پس منظر رکھنے والے طلبہ کے مابین پینل مباحثوں، ثقافتی تبادلوں، مشترکہ سماجی خدمات اور کمیونٹی پروگراموں کا انعقاد کر سکتے ہیں۔

تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشترکہ سماجی سرگرمیاں، جیسے کہ تہواروں میں شرکت یا کمیونٹی تقریبات، بداعتمادی کے ماحول میں بھی رابطے اور باہمی احترام کو فروغ دے سکتی ہیں۔ اسی لیے تعلیمی اداروں کو ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے جو مختلف گروہوں کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنائیں۔

مزید برآں، انسدادِ ہراسانی (Anti-Bullying) اور طلبہ کے تحفظ سے متعلق پالیسیوں میں مذہبی، نسلی اور ثقافتی اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو واضح طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہیے، اور ایسے واقعات کی مؤثر روک تھام اور تدارک کے لیے عملی اقدامات کیے جانے چاہئیں۔

- **اساتذہ اور انتظامی عملے کی استعداد کار میں اضافہ کیا جائے**

اساتذہ، تعلیمی منتظمین اور معاون عملے کو شمولیت، تنوع، انسانی حقوق اور پوشیدہ تعصب سے متعلق تربیت فراہم کی جانی چاہیے۔

چونکہ بہت سے نوجوان مذہب، شناخت اور امتیازی سلوک سے متعلق موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے وقت خوف یا خود سنسر شپ کا شکار ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں، اس لیے اساتذہ کو حساس موضوعات پر احترام، توازن اور غیر جانبداری کے ساتھ مکالمے کی رہنمائی کرنے کی مہارت حاصل ہونی چاہیے۔

تربیتی پروگرام اساتذہ کو روزمرہ زندگی میں پائے جانے

والے امتیازی رویّوں کی شناخت اور ان کے مؤثر تدارک میں مدد فراہم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح صنفی مساوات، تنوع اور شمولیت سے متعلق تربیت خواتین، ٹرانس جینڈر افراد اور دیگر کم نمائندگی رکھنے والے گروہوں کے لیے زیادہ محفوظ اور معاون تعلیمی ماحول پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

- **تنقیدی سوچ اور ڈیجیٹل خواندگی کو فروغ دیا جائے**

چونکہ نوجوانوں نے سوشل میڈیا کو غلط معلومات، نفرت انگیز بیانیوں اور اشتعال انگیز مواد کے پھیلاؤ کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے، اس لیے تعلیمی اداروں کو ڈیجیٹل خواندگی اور میڈیا آگاہی کو نصاب کا لازمی حصہ بنانا چاہیے۔

طلبہ کو جعلی خبروں کی شناخت، معلومات کی تصدیق، الگورتھمک تعصب کی تفہیم اور سوشل میڈیا کے ذمہ دارانہ استعمال سے متعلق عملی مہارتیں سکھائی جانی چاہئیں۔

طلبہ کو آن لائن دھڑے بندی اور نفرت انگیز بیانیوں کی حقیقی مثالوں کا تجزیہ کرنے اور ان سے نمٹنے کے لیے تنقیدی اور حقائق پر مبنی حکمتِ عملیوں پر غور کرنے کی ترغیب دی جانی چاہیے۔

سول سوسائٹی تنظیموں کے لیے سفارشات

- **برادریوں کے مابین مکالموں اور مشترکہ سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے**

غیر سرکاری تنظیمیں اور کمیونٹی گروپس مقامی سطح پر امن سازی، سماجی ہم آہنگی اور باہمی اعتماد کے فروغ کے لیے مختلف اقدامات کر سکتے ہیں۔

ان میں اکثریتی اور اقلیتی آبادیوں کے نوجوانوں کے درمیان پروگراموں کا تبادلہ، مشترکہ کھیلوں کے مقابلے، فنون و ثقافت کی ورکشاپس اور مختلف تعلیمی اداروں کے درمیان اشتراک شامل ہو سکتے ہیں۔

اس قسم کی سرگرمیاں آن لائن دنیا میں قائم ہونے والے مثبت روابط کو حقیقی زندگی کے دیرپا تعلقات میں تبدیل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ اسی طرح، بین المذاہب مکالموں اور تجربات کے تبادلے کے لیے محفوظ فورمز قائم کیے جا سکتے ہیں جہاں مختلف برادریوں کے افراد احترام اور باہمی اعتماد کے ماحول میں گفتگو کر سکیں۔

- **عوامی آگاہی اور ایڈووکیسی مہمات کا انعقاد کیا جائے**

تحقیق میں سامنے آنے والی ذاتی کہانیوں اور تجربات کی بنیاد پر سول سوسائٹی ایسی مہمات تشکیل دے سکتی ہے جو مشترکہ انسانی اقدار، ہمدردی اور سماجی انصاف کو فروغ دیں۔

سوشل میڈیا، عوامی تقریبات، تھیٹر، آرٹ اور دیگر تخلیقی ذرائع کے ذریعے امتیازی سلوک اور تعصب کے اثرات کو اجاگر کیا جا سکتا ہے تاکہ وسیع تر عوام میں شعور اور ہمدردی پیدا ہو۔

سول سوسائٹی تنظیموں کو امتیازی رویّوں، نفرت پر مبنی جرائم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق تحقیق، رپورٹس اور عوامی مباحثوں کے ذریعے ان موضوعات کو قومی سطح پر زیرِ بحث رکھنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ متاثرین کو قانونی معاونت، نفسیاتی مدد اور دیگر ضروری خدمات بھی فراہم کی جا سکتی ہیں۔

- **نوجوان قیادت اور امن سازی کی صلاحیتوں کو مضبوط بنایا جائے**

غیر سرکاری تنظیموں کو نوجوان رہنماؤں کے لیے تنازع کے حل، مکالمے کی سہولت کاری، سماجی قیادت اور عدم تشدد پر مبنی سرگرمیوں سے متعلق تربیتی پروگرام ترتیب دینے چاہئیں۔

نوجوانوں کو مقامی سطح پر امن، سماجی ہم آہنگی اور شمولیت کے فروغ کے لیے قیادت کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ وہ اپنے معاشروں میں مثبت تبدیلی کے محرک بن سکیں۔

- **علاقائی اور سرحد پار شراکت داریوں کو فروغ دیا جائے**

سول سوسائٹی تنظیموں کو ایسے علاقائی اور بین الاقوامی نیٹ ورکس تشکیل دینے چاہئیں جو مذہبی ہم آہنگی، انسانی حقوق اور سماجی انصاف کے فروغ کے لیے کام کریں۔

بھارت اور پاکستان کے نوجوانوں کے درمیان آن لائن یا تیسرے ممالک کے ذریعے مکالمے اور تعاون کے پلیٹ فارمز قائم کیے جا سکتے ہیں تاکہ باہمی اعتماد، ثقافتی تبادلے اور مشترکہ سیکھنے کے مواقع پیدا ہوں۔

اسی طرح مختلف نظریاتی پس منظر رکھنے والی تنظیموں کے درمیان شراکت داریوں کو فروغ دے کر انتہا پسندی، نفرت انگیزی اور امتیازی سلوک کے خلاف مشترکہ موقف اختیار کیا جا سکتا ہے۔

میڈیا پلیٹ فارمز اور ٹیکنالوجی کمپنیوں کے لیے سفارشات

- **مواد کی نگرانی اور پالیسیوں کے نفاذ کو مؤثر بنایا جائے**

سوشل میڈیا اور خبروں کے پلیٹ فارمز کو نفرت انگیز تقاریر، غلط معلومات، افواہوں اور تشدد پر اکسانے والے مواد کی شناخت اور روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔

کمپنیوں کو ایسے نظام وضع کرنے چاہئیں جو مذہبی، نسلی یا ثقافتی گروہوں کو غیر انسانی یا کمتر ثابت کرنے والے مواد کی بروقت نشاندہی اور کارروائی کو ممکن بنائیں۔ اس حوالے سے شفاف رپورٹس کی باقاعدہ اشاعت صارفین کے اعتماد کو مضبوط بنانے میں مددگار ہو سکتی ہے۔

- **سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اختلافی آراء کی حوصلہ افزائی کریں**

ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کو اپنی تجاویز کے نظام میں ایسی تبدیلیاں لانی چاہئیں جو صارفین کو مختلف نقطہ ہائے نظر اور متنوع سماجی تجربات سے روشناس کرائیں۔

صارفین کو صرف ہم خیال مواد تک محدود رکھنے کے بجائے معتبر متبادل آراء، حقائق کی جانچ کرنے والے ذرائع اور مختلف برادریوں کی آوازوں تک رسائی فراہم کی جانی چاہیے۔

اسی طرح ایسے مواد کی ترجیح کم کی جانی چاہیے جو خوف، نفرت یا انتہا پسندی کو فروغ دیتا ہو، جبکہ تعمیری اور حقائق پر مبنی مکالمے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔

- **ڈیجیٹل خواندگی اور متبادل بیانیوں کی حمایت کی جائے**

ٹیکنالوجی کمپنیاں تعلیمی اداروں اور سول سوسائٹی تنظیموں کے ساتھ مل کر ایسے پروگرام شروع کر سکتی ہیں جو صارفین کو معتبر معلومات اور گمراہ کن مواد کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت فراہم کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ، مختلف مذہبی اور ثقافتی برادریوں کے درمیان تعاون، یکجہتی اور مثبت اشتراک کی کہانیوں کو نمایاں کیا جانا چاہیے تاکہ نفرت انگیز بیانیوں کا مؤثر متبادل فراہم کیا جا سکے۔

- **آن لائن بدسلوکی اور نفرت انگیزی کے لیے گمنامی کے غلط استعمال کی روک تھام**

چونکہ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ گمنامی بعض اوقات نفرت انگیز اور انتہا پسندانہ اظہار کو تقویت دیتی ہے، اس لیے پلیٹ فارمز کو صارفین کی سلامتی اور آزادی اظہار کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے مناسب حفاظتی اقدامات متعارف کروانے چاہئیں۔

ان اقدامات میں دھمکی آمیز یا نفرت انگیز رویّوں کی نگرانی، بار بار نقصان دہ مواد پھیلانے والے اکاؤنٹس کے خلاف کارروائی، اور معلومات کے بڑے پیمانے پر پھیلاؤ کو محدود کرنے کے لیے حفاظتی میکانزم شامل ہو سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ، سول سوسائٹی اور دیگر شراکت داروں کے تعاون سے عوامی آگاہی مہمات چلائی جا سکتی ہیں جو ذمہ دارانہ آن لائن رویّوں، ڈیجیٹل شہریت اور نفرت انگیز مواد کی رپورٹنگ کی حوصلہ افزائی کریں۔

مذہبی اور کمیونٹی رہنماؤں کے لیے سفارشات

- **عدم برداشت، نفرت انگیزی اور تشدد کی واضح مذمت کی جائے**

تمام مذاہب اور برادریوں کے مذہبی و سماجی رہنماؤں کو

نفرت انگیز تقاریر، امتیازی سلوک اور تشدد کے ہر واقعے کی کھل کر اور واضح الفاظ میں مذمت کرنی چاہیے۔

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ بعض اوقات افراد کو دوسری برادریوں کے ساتھ ہمدردی یا یکجہتی کا اظہار کرنے پر اپنے خاندان یا قریبی سماجی حلقوں کی جانب سے منفی ردعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں مذہبی رہنما قبولیت، احترام اور باہمی رواداری کی عملی مثال پیش کرنے کی منفرد صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہندو، مسلم، مسیحی، سکھ اور دیگر مذہبی برادریوں کے نمائندہ اداروں کی جانب سے فرقہ وارانہ تشدد، مذہبی نفرت اور انتہا پسندی کے خلاف مشترکہ بیانات ایک مضبوط اور مثبت پیغام دے سکتے ہیں کہ نفرت، امتیاز اور تشدد کو کسی بھی مذہب کی تائید حاصل نہیں۔

خطبات، مذہبی اجتماعات اور عوامی تقاریر میں مشترکہ انسانی اقدار، ہمدردی، انصاف، احترامِ انسانیت اور پرامن بقائے باہمی جیسے اصولوں کو اجاگر کیا جانا چاہیے، اور پیروکاروں کو مذہبی روایات میں موجود تکثیریت، رواداری اور باہمی احترام کی تعلیمات سے روشناس کرایا جانا چاہیے۔

- **بین المذاہب روابط اور مشترکہ کمیونٹی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے**

مقامی سطح پر مذہبی اور سماجی رہنما مختلف عقائد اور برادریوں کے درمیان رابطے اور اعتماد کو فروغ دینے کے لیے عملی اقدامات کر سکتے ہیں۔

اس مقصد کے لیے بین المذاہب مکالموں، مشترکہ تقریبات، ثقافتی سرگرمیوں اور سماجی خدمت کے منصوبوں کا انعقاد کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ہمسایوں کو ایک دوسرے کے مذہبی یا ثقافتی تہواروں میں شرکت کی دعوت دینا، یا بین المذاہب دعائیہ تقاریب اور مکالموں کا انعقاد، مختلف برادریوں کے درمیان اعتماد اور باہمی فہم کو مضبوط بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔

اسی طرح، کمیونٹی رہنما مشترکہ فلاحی سرگرمیوں، خیراتی مہمات اور سماجی خدمت کے منصوبوں کا انعقاد کر سکتے ہیں، جس سے یہ پیغام مضبوط ہوتا ہے کہ مختلف برادریوں کے درمیان تعاون اور یکجہتی پورے معاشرے کے لیے فائدہ مند ہے۔

- **انسانی حقوق، رواداری اور شمولیت پر مبنی تعلیم کو فروغ دیا جائے**

مذہبی اور سماجی رہنماؤں کو اپنی برادریوں کے اندر موجود تعصّبات، امتیازی رویّوں اور نقصان دہ سماجی روایات کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔

مثال کے طور پر ''پاکیزگی'' یا ''برتری'' کے تصورات کی بنیاد پر افراد کو سماجی طور پر الگ کرنا، ان کے ساتھ کھانے پینے یا میل جول سے اجتناب کرنا، یا ذات، مذہب، فرقے یا پس منظر کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا رکھنا، انسانی وقار اور مساوات کے اصولوں سے متصادم ہے۔ ایسی روایات کے خلاف واضح رہنمائی اور شعور بیداری ضروری ہے۔

مذہبی ادارے خاندانوں، نوجوانوں اور کمیونٹی اراکین کے لیے رواداری، احترامِ تنوع، بین الثقافتی فہم اور انسانی حقوق سے متعلق تربیتی نشستوں اور مکالموں کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ اسی طرح، ایسی مذہبی تعبیرات اور علمی روایات کو فروغ دیا جانا چاہیے جو شمولیت، انصاف، انسانی برابری اور پرامن بقائے باہمی کی حمایت کرتی ہوں۔

مذہبی تعلیمات، تاریخی روایات اور اخلاقی تعلیمات میں موجود تکثیریت، احترامِ اختلاف اور مشترکہ انسانی اقدار کے پہلوؤں کو نمایاں کرنا محدود، اخراجی اور نفرت پر مبنی بیانیوں کا مؤثر متبادل فراہم کر سکتا ہے اور معاشرتی ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

ماحصل

بھارت اور پاکستان میں نسلی و مذہبی ہم آہنگی کا فروغ کسی ایک فریق یا ادارے کی کوششوں سے ممکن نہیں۔ دونوں ممالک کے نوجوانوں سے حاصل ہونے والے معیاری تحقیقی نتائج واضح کرتے ہیں کہ اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے کثیر الجہتی، اشتراکی اور جامع حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔

پالیسی سازوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی حکمرانی، مساوات اور شمولیت کے اصولوں کو مضبوط بنائیں؛ تعلیمی اداروں کو ایسے شہریوں کی تربیت کرنی چاہیے جو تنقیدی سوچ، ہمدردی اور انسانی حقوق کے احترام کی اقدار سے آراستہ ہوں؛ سول سوسائٹی کو مختلف برادریوں کے درمیان موجود فاصلے کم کرنے اور مکالمے کو فروغ دینے میں فعال کردار ادا کرنا چاہیے؛ میڈیا اور ٹیکنالوجی کمپنیوں کو اپنے پلیٹ فارمز پر انسانی وقار، ذمہ دارانہ اظہارِ رائے اور درست معلومات کو ترجیح دینی چاہیے؛ جبکہ مذہبی اور سماجی رہنماؤں کو اپنے بیانات، خطبات اور عملی اقدامات کے ذریعے پرامن بقائے باہمی، رواداری اور باہمی احترام کی حمایت کرنی چاہیے۔

اگرچہ ہر فریق اپنے اپنے دائرہ کار میں ان سفارشات پر عمل درآمد کر سکتا ہے، تاہم سب کا مشترکہ مقصد ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہونا چاہیے جہاں تنوع کو تقسیم کا ذریعہ نہیں بلکہ اجتماعی طاقت، ثقافتی دولت اور سماجی استحکام کی بنیاد سمجھا جائے۔

بالآخر، تحقیق میں شریک افراد کی اپنی آوازیں امید کا پیغام دیتی ہیں۔ عدم اعتماد، خوف اور سماجی تقسیم کے باوجود دونوں ممالک میں ایسے بے شمار واقعات اور تجربات موجود ہیں جو باہمی احترام، مشترکہ تقریبات، انسانی ہمدردی اور آن لائن روابط کے ذریعے بھارت اور پاکستان کے مشترکہ تکثیری ورثے کی عکاسی کرتے ہیں۔

اگر ریاستی ادارے، سول سوسائٹی، تعلیمی حلقے، میڈیا اور مقامی برادریاں متاثرہ افراد کے تجربات اور آراء کو سنجیدگی سے سنیں اور مشترکہ طور پر عمل کریں، تو دونوں ممالک ایسے سماجی ماحول تشکیل دے سکتے ہیں جہاں ہر فرد صرف خوف اور عدم تحفظ کے سائے میں زندگی گزارنے کے بجائے عزت، آزادی، برابری اور تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

اختتامی نوٹ

یہ تحقیقی مطالعہ محض معلومات جمع کرنے کا عمل نہیں تھا، بلکہ یہ ہمدردی، احترام اور کشادہ دلی کے ساتھ مختلف نقطہ ہائے نظر کو سننے اور سمجھنے کی ایک مشق بھی تھا۔ تحقیق کے دوران متعدد شرکاء نے رابطہ قائم کر کے اپنی تشویش، تجربات اور موجودہ حالات کے بارے میں مکالمے میں حصہ لیا، جس کے نتیجے میں یہ عمل ایک مشترکہ گفتگو کی شکل اختیار کرتا گیا۔

اس تحقیق نے جنوبی ایشیا کے عام لوگوں کی روزمرہ زندگی، ان کے خدشات، امیدوں اور سماجی تجربات کو گہرائی سے سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ اس جاری مکالمے سے جو حقیقت مسلسل سامنے آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ نسلی اور مذہبی قوم پرستی کا رجحان بھارت اور پاکستان دونوں میں بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ رجحان لوگوں کی روزمرہ زندگیوں پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے، مذہبی اور نسلی اقلیتوں کے حقوق، تحفظ اور سماجی شمولیت کے لیے مسلسل چیلنجز پیدا کرتا ہے، اور جیسا کہ مئی 2025 کے واقعات نے ظاہر کیا، یہ جوہری صلاحیت رکھنے والی دو ریاستوں کو مسلح تصادم کے انتہائی خطرناک مرحلے تک لے جا سکتا ہے۔ آج کا دور بیک وقت معلومات اور غلط معلومات کا دور ہے، جبکہ مصنوعی ذہانت اور جنریٹو اے آئی جیسی نئی ٹیکنالوجیز معلومات کے پھیلاؤ کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہیں۔ ایسے ماحول میں یہ نہایت ضروری ہے کہ نفرت، تعصب اور تقسیم پیدا کرنے والے بیانیوں کا مقابلہ حقائق کی جانچ، تحقیق، تعلیم، ذمہ دارانہ مکالمے اور عوامی آگاہی کے ذریعے کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ، امید، امن، سماجی انصاف، انسانی وقار اور مشترکہ انسانیت پر مبنی متبادل بیانیوں کے لیے جگہ پیدا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ پائیدار امن اور سماجی ہم آہنگی کا راستہ اسی مسلسل کوشش سے ہموار ہو سکتا ہے جو اختلافات کے باوجود انسانوں کے درمیان مشترکہ اقدار، باہمی احترام اور محبتِ انسانیت کو مرکزی حیثیت دیتی ہو۔

(پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی تحقیقی رپورٹ **نگرانی کی زد میں، نفرت کے نشانے پر** سے ماخوذ)

عام انسان

سید شہریار رضا زیدی

قدیم تہذیبوں کی طرح، پاکستان میں ''ذات پات کا یہ نیا نظام'' دولت، پیشے، عہدے، حکمران طبقے سے قربت اور مذہبی عقائد کی بنیاد پر قائم ہے؟

معاشرے کو نسب، پیشہ ورانہ حیثیت اور معاشی خوشحالی کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا تصور تہذیبوں کی ایک نمایاں خصوصیت رہا ہے۔ قدیم ہندوستان کے ذات پات کے سرایت پذیر نظام کو لے لیں — جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے — جس میں لوگوں کو برہمن، کھشتری، ویش، شودر اور اچھوتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اسی طرح کی درجہ بندیاں جاگیردارانہ جاپان اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں بھی موجود تھیں۔ تاہم، دنیا بھر میں شہریوں کے درمیان برابری کا تصور مرکزی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ صنفی مساوات کے لیے چلنے والی تحریکوں سے لے کر نسلی امتیاز کے خاتمے کی مہمات تک، دنیا نے اس سمت میں کافی پیش رفت کی ہے۔

پاکستان نے قانون سازی کے میدان میں ہمیشہ نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے اپنے آئین کے آرٹیکل 25 میں شہریوں کی برابری کے تصور کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس آرٹیکل کے مطابق پاکستان کا ہر شہری، چاہے اس کا تعلق کسی بھی طبقے، نسب، پیشے، پس منظر، وسائل یا عہدے سے ہو، قانون کی نظر میں برابر ہے۔ اس کے باوجود، پاکستان آج بھی اتنا ہی منقسم ہے جتنا پہلے کبھی تھا۔

معاشرے میں مختلف طبقات موجود ہیں جو خاموشی سے وجود میں آ چکے ہیں، اور اس عظیم قوم کے شہریوں نے انہیں کسی حد تک قبول بھی کر لیا ہے۔ قدیم تہذیبوں کی طرح، پاکستان میں ''ذات پات کا یہ نیا نظام'' دولت، پیشے، عہدے، حکمران طبقے سے قربت اور مذہبی عقائد کی بنیاد پر قائم ہے۔

پاکستان میں حکمران اشرافیہ، یعنی اراکینِ قومی و صوبائی اسمبلی، سینیٹرز اور سول و عسکری بیوروکریسی کی اعلیٰ سطحیں — یہ سب مل کر "طبقہ اوّل" تشکیل دیتے ہیں۔ یہ نظام کے سب سے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طبقہ اپنے تعلق کی بنیاد پر اپنے خاندان، قریبی رشتہ داروں اور اکثر اپنے قریبی دوستوں اور معاونین کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ دوسرے طبقے میں "شاہی افراد" شامل ہیں — یعنی وہ افراد جو کبھی طاقت کے مرکز میں شامل تھے یا اس کے قریب شمار ہوتے تھے۔

اس میں وہ شامل ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اقتدار اور شہرت کا سورج دیکھا ہو اور اب اپنے کیریئر کے زوال یا آخری مرحلے میں ہوں۔ اس زمرے میں ان کے خاندان بھی شامل ہوتے ہیں جو اپنے بااثر اور کامیاب رشتہ داروں کی ماضی کی شہرت اور اثر و رسوخ کی بدولت زندگی گزارتے ہیں۔ دوسرے طبقے میں عدلیہ کے اعلیٰ ترین طبقات اور وہ کاروباری شخصیات بھی شامل ہیں جو معیشت پر نمایاں اثر رکھتے ہیں۔ ان کے مسائل پر ریاست توجہ دینے کے لیے آمادہ رہتی ہے کیونکہ انہیں ریاستی حلقوں میں رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اسی درجے میں کارپوریٹ دنیا کے وہ بااثر افراد بھی شامل ہیں جو کاروباری فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں، اسٹاک ایکسچینج پر کنٹرول رکھتے ہیں اور ٹیکس پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں (جہاں تک آئی ایم ایف اجازت دے)۔

اس کے بعد تیسرا طبقہ ہے — "بابو" طبقہ — جس میں ریاست کا درمیانی انتظامی ڈھانچہ شامل ہے۔ یہ وہ افسران ہوتے ہیں جو بالکل اوپر تو نہیں ہوتے، مگر اپنے عہدے اور

اس کے بعد تیسرا طبقہ ہے — "بابو" طبقہ — جس میں ریاست کا درمیانی انتظامی ڈھانچہ شامل ہے۔ یہ وہ افسران ہوتے ہیں جو بالکل اوپر تو نہیں ہوتے، مگر اپنے عہدے اور سرکاری نظام میں موجود حیثیت کے باعث خاصا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ اس میں پولیس، ڈی ایم جی افسران اور دفتر خارجہ کے اعلیٰ اہلکار شامل ہوتے ہیں، اور یہ گریڈ 18 اور اس سے اوپر کے زیادہ تر افراد پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔

سرکاری نظام میں موجود حیثیت کے باعث خاصا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ اس میں پولیس، ڈی ایم جی افسران اور دفتر خارجہ کے اعلیٰ اہلکار شامل ہوتے ہیں، اور یہ گریڈ 18 اور اس سے اوپر کے زیادہ تر افراد پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ یہ افراد اگرچہ سطحِ اول اور دوم جتنے محفوظ یا طاقتور نہیں ہوتے، لیکن اپنے اثر رسوخ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور اپنے مراعاتی دائرہ کار کی سختی سے حفاظت کرتے ہیں۔

اس کے بعد چوتھا طبقہ — "اتحادی" — آتا ہے، یعنی وہ لوگ جو اپنے عہدے، پیشے اور نسبتاً معاشی حیثیت کی وجہ سے اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ اس طبقے میں مذہبی علما شامل ہیں جو دینی تعلیمات کی وجہ سے احترام حاصل کرتے ہیں، قانونی برادری کے رہنما، ڈاکٹر (خصوصاً وہ جو سطحِ اول، دوم یا سوم سے تعلق رکھنے والے افراد کا علاج کرتے ہیں)، چھوٹے زمیندار، اور وہ افراد جو اتنی مالی حیثیت رکھتے ہیں کہ باعزت زندگی گزار سکیں۔ دوسرے لفظوں میں، یہ وہ طبقہ ہے جس کا اثر براہِ راست سیاسی فیصلوں کو تو شاید نہ بدل سکے، مگر مقامی سطح پر احترام اور اثر ضرور رکھتا ہے۔

آخر میں پانچواں طبقہ آتا ہے، یعنی "عام انسان" — وہ لوگ جو محض نظام کے خادم سمجھے جاتے ہیں، جن کا تعلق متوسط طبقے، نچلے متوسط طبقے سے ہوتا ہے، اور جن میں وہ افراد شامل ہیں جو بمشکل اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں مزید معاشی درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، لیکن ایسا کرنا ان کی جدوجہد کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ اگر ان طبقاتی نظاموں کے حقیقی عملی اظہار کو دیکھا جائے تو کراچی کے نسلا ٹاورز (TowersNasla) کا کیس، جہاں ایک وقت میں عام شہری آباد تھے، اور وفاقی دارالحکومت میں واقع ون کانسٹی ٹیوشن ایونیو اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ پہلے کو سپریم کورٹ کی نگرانی میں مسمار کر دیا گیا، جبکہ دوسرے سے بے دخلیاں وزیرِ اعظم کی مداخلت پر روک دی گئیں، کیونکہ یہ عملاً "اعلیٰ ترین طبقے"، "شاہی" اور "بابوز" کی رہائش کے لیے مخصوص تصور کیا جاتا تھا۔

عام انسان اسی ملک میں رہتے ہیں، اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں اور انہی سڑکوں کو استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کی زندگیاں بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ کراچی میں ایسے شہریوں کی اموات کی مثال لی جا سکتی ہے جو گڑھوں میں گر کر یا کچرا اٹھانے والے ٹرکوں کے نیچے آ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں؛ یہ بدقسمت لوگ محض گھر سے باہر نکلنے کی جسارت کرتے ہیں۔ کیا اسی طرح کا انجام "اعلیٰ ترین طبقے"، "شاہی افراد"، "بابوز" یا حتیٰ کہ "اتحادیوں" کا بھی ہو سکتا ہے؟ نہیں، کیونکہ یہ لوگ شاہانہ انداز میں سفر کرتے ہیں، انتہائی لگژری سیڈانز اور ایس یو ویز میں، اور پاکستان کی تلخ حقیقتوں سے محفوظ اور الگ تھلگ زندگی گزارتے ہیں۔؟

"عام انسان" شہری حیثیت کی سب سے نچلی سطح پر موجود رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلسل بے بسی کے ایک نہ ختم ہونے والے دائرے میں پھنسے رہتے ہیں۔ جب تک حالات میں بہتری نہیں آتی، یہ محض عام انسان ہی رہیں گے — جدید دور کے عام شہری، جدید دور کے کسان، اور جدید دور کے "شودر"۔

انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان

اسلام آباد کے پرانے دیہات کی تا حال جاری مسماری کس حد تک بجا

عثمان چیمہ

اسلام آباد میں انسداد تجاوزات کے نام پر ان تاریخی دیہات اور رہائشی بستیوں کی مسماری جاری ہے، جنہیں حکام غیر قانونی تعمیرات قرار دیتے ہیں۔ ناقدین کے بقول یہ مسماری انسانی المیہ اور ریاست کے غرباء مخالف رویے کا تسلسل ہے۔

کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) نے گزشتہ سال دسمبر میں انسداد تجاوزات کی مہم کا آغاز کیا تھا، جب ڈپلومیٹک انکلیو اور وزیر اعظم ہاؤس کے عقب میں واقع ایک بستی کو مختصر نوٹس پر مسمار کر دیا گیا تھا۔ اگلے مرحلے میں سی ڈی اے نے اسلام آباد کے معروف دیہات بری امام، نور پور شاہاں اور سید پور میں کارروائی شروع کی اور متعدد گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔

سی ڈی اے ان دیہات کو پرانی رہائشی بستیوں کے بجائے "تجاوزات'' قرار دیتی ہے۔ سی ڈی اے کے مطابق ان علاقوں کے رہائشیوں کو دہائیوں قبل اس وقت مکمل معاوضہ دیا جا چکا تھا جب ریاست نے اصل میں یہ زمین حاصل کی تھی۔ اس سرکاری ادارے کے مطابق باقاعدہ ریکارڈ میں یہ ادائیگیاں درج ہیں، جن میں براہ راست مالی ادائیگیوں کے ساتھ ساتھ متبادل زمین کی الاٹمنٹ بھی شامل تھی۔ چونکہ ریاست ان معاملات کو پہلے ہی نمٹا ہوا تصور کرتی ہے، اس لیے موجودہ رہائشیوں کو وہ سرکاری زمین پر غیر قانونی قابض سمجھتی ہے، جن کو وہاں رہنے کا اب کوئی قانونی حق نہیں۔

علاقے کے مکینوں کا کہنا کیا ہے؟

ان علاقوں کے رہائشی حکومتی موقف سے اتفاق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے افراد کو نہ تو کوئی معاوضہ ملا تھا اور نہ ہی ریاست کی جانب سے انہیں کوئی متبادل رہائش فراہم کی گئی تھی۔ متعدد رہائشی باشندوں نے ڈی ڈبلیو سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے پاس رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں اور اب ان کے "آبائی دیہات'' ان سے چھینے جا رہے ہیں۔

تاریخی گاؤں سید پور میں اپنا گھر مسمار ہوتے دیکھنے والی 'میں ایک بیوہ ہوں' ایک معمر خاتون کا کہنا تھا، بچے سکول میں تھے جب ریاست نے صبح سویرے اچانک میرا گھر مسمار کر دیا۔ میرے بچے شدید ذہنی صدمے کا شکار ہیں اور اب بھی اس صدمے سے نہیں نکل سکے کہ ان کا گھر ان کے سامنے بغیر چھت کے بالکل ملبے میں بدل دیا گیا۔'' اس خاتون کا کہنا تھا کہ ان کو ماضی میں رہائشی کارڈ بھی دیا گیا تھا، جو ان کے مرحوم شوہر خان محمد کے نام پر ہے، اور جس کے تحت وہ وہاں رہ سکتی تھیں، لیکن صرف مزید تعمیر پر پابندی تھی جس کی وہ پاسداری کر رہی تھیں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ گرائے گئے گھروں میں یا ان کے باہر بجلی اور گیس کے میٹر بھی لگے ہوئے تھے، جس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آبادی مکمل غیر قانونی تھی، تو پھر حکومتی ادارے بنیادی سہولیات کیوں فراہم کر رہے تھے اور بل اور ٹیکس بھی کیوں وصول کر رہے تھے۔

سی ڈی اے کا موقف

سی ڈی اے کی ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل برائے انفورسمنٹ ڈاکٹر انعم فاطمہ اس کارروائی کا دفاع کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ماضی میں زمین کے حصول کے وقت متاثرین کو انتہائی پرکشش معاوضے دیے گئے تھے۔ ان کے مطابق، "ریاست نے چار کنال زرعی زمین کے بدلے ایک سو کنال زرعی زمین پنجاب کے مختلف علاقوں میں فراہم کی اور رہائشی گھروں کے عوض پلاٹ بھی الاٹ کیے۔'' وہ مزید کہتی ہیں کہ اگر کسی نے اپنا پلاٹ بیچ دیا ہے یا اب اس کے پاس گھر نہیں، تو یہ اس کا ذاتی فیصلہ ہے اور حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔

ڈاکٹر انعم کا یہ بھی کہنا تھا کہ سروے کے مطابق ایک بستی میں 1800 گھر تعمیر ہو چکے ہیں، جبکہ ریکارڈ کے مطابق صرف 221 افراد کا اس زمین سے اصل آبائی تعلق ہے، اور وہ بھی کسی معاوضے کے حق دار نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے، "تجاوزات ہر حال میں تجاوزات ہی ہوتی ہیں، اور عدالت کا حکم واضح ہے کہ اتھارٹی کی ماضی کی غفلت کو قبضے کے جواز کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔''

سید پور کی زمین پر مہنگا ایف سکس سیکٹر ہے، کیا وہاں متاثرین کو پلاٹ دیے گئے؟

اس سارے معاملے کا قانونی پہلو کے علاوہ ایک زاویہ اور بھی ہے۔ انسانی حقوق کے کارکن سوال اٹھاتے ہیں کہ ایسے قوانین کن حالات میں بنائے جاتے ہیں اور کن مفادات کے لیے، جو لوگوں کو اپنے آبائی علاقے چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ ان پرانے مکینوں کو اسی علاقے میں بہتر اور ترقی یافتہ ماحول میں دوبارہ کیوں نہیں بسایا جا سکتا تھا، اور وہ اسلام آباد کے قیام اور ترقی سے اصل فائدہ اٹھانے والے کیوں نہ بن سکے؟

ناقدین کے مطابق یہ بھی ایک بنیادی سوال ہے کہ اسلام آباد کے پرانے دیہات کے مکینوں کو ترقی کے نام پر دور دراز علاقوں میں کیوں منتقل کیا گیا، جیسا کہ بعض افراد کو ملتان یا اس سے بھی دور زمینیں الاٹ کی گئیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلام آباد کا ایف سکس سیکٹر، جو ایک انتہائی مہنگا علاقہ ہے اور جہاں اربوں روپے قیمت والے مکانات موجود ہیں، سید پور کی زرعی زمین پر تعمیر کیا گیا، مگر اب وہاں سید پور کا کوئی رہائشی نہیں رہتا۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق اس حوالے سے کہتے ہیں، "ہم ایک غریب مخالف ریاست بن چکے ہیں، جہاں امیر رہتے ہیں وہاں سے غریبوں کو کہیں دور دھکیل دیا جاتا ہے۔'' ان کے مطابق یہ مسئلہ محض زمین کے بدلے معاوضہ ادا کرنے تک محدود نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا اس زمین سے آبائی تعلق ہے، انہیں یہیں بسایا جانا چاہیے تھا اور اب ریاست کو چاہیے کہ ان کے لیے رہائشی عمارتیں تعمیر کرے یا کوئی اور مناسب متبادل فراہم کرے۔

جہاں ایک طرف غریبوں کے گھروں کو، چاہے وہ غیر قانونی ہی کیوں نہ ہوں، مسمار کیا جا رہا ہے، تو وہیں اقتدار کے ایوانوں کے قریب واقع ایک اشرافیہ کی عمارت کا معاملہ بھی اہم سوالات اٹھاتا ہے، جہاں کارروائی خود وزیر اعظم نے رکوا دی، حالانکہ اس عمارت کو کافی عرصہ قبل غیر قانونی قرار دیا جا چکا تھا۔

حارث خلیق کہتے ہیں، "پاکستان میں انصاف کا اطلاق یکساں نہیں، بلکہ غریب اور امیر کے لیے الگ الگ قوانین ہیں۔ غریبوں کو ترقی کے نام پر اپنے ہی علاقوں سے نکالا جاتا ہے تاکہ وہاں امیر آباد ہو سکیں۔''

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن لوگوں کو اسلام آباد کے سیکٹر ایف سکس میں زرعی زمین کے بدلے زمین دی گئی، وہ اکثر ملتان یا سندھ میں الاٹ کی گئی۔ بعض متاثرین کے مطابق وہ زمین بھی ان کے قبضے میں نہیں آ سکی۔ ایک مقامی رہائشی اخلاق احمد نے بتایا کہ مقامی بااثر افراد نے ان زمینوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہ انہیں واگزار نہیں کروا سکتے۔

علاقہ خالی کروا کر سی ڈی اے کا کیا منصوبہ ہے؟

وفاقی دارالحکومت میں یہ افواہیں بھی گردش کر رہی ہیں کہ حالیہ کارروائی کے پیچھے اس علاقے میں اشرافیہ کے لیے تعمیراتی منصوبوں کا ارادہ ہے۔ تاہم ڈاکٹر انعم فاطمہ اس تاثر کو مسترد کرتی ہیں اور خاص طور پر سید پور گاؤں کے حوالے سے کہتی ہیں، جہاں ایک مندر اور ایک گردوارے سمیت کئی تاریخی عمارتیں بھی موجود ہیں، کہ یہ علاقہ محفوظ قرار دے دیا گیا ہے اور غیر قانونی تعمیرات اس کے قدرتی حسن کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

ان کے مطابق سی ڈی اے اس علاقے کو خالی کرا کے یہاں شجر کاری کا ارادہ رکھتی ہے، جبکہ آذربائیجان کی جانب سے حال ہی میں مرمت کیے گئے چند مکانات، جو محفوظ حدود سے باہر ہیں، انہیں سیاحتی مقاصد کے لیے لیز پر دیا جائے گا۔

(بشکریہ ڈی ڈبلیو)

باپ مرتے ہی بیٹیاں گھر سے باہر: ہندو خواتین کے وراثت کے حق کا قانون کب بنے گا؟

جمہ پرکاش

نصف کروڑ آبادی پر مشتمل ہندو کمیونٹی پاکستان کی سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہے اور اس برادری کی شادی شدہ بیٹیوں کو خاندانی وراثت اور مرحوم باپ کی جائیداد سے حصہ نہیں دیا جاتا۔ محض اس لیے کہ ملک خداداد میں ان کے لیے وہی صدیوں پرانا فرسودہ نظام رائج ہے جو بیٹی کو وارث مانتا ہی نہیں۔

ہندو قانونِ وراثت مجریہ 1929ء برطانوی راج کے ان قوانین میں سے ایک ہے جنہیں پاکستان میں آزادی کے بعد کوئی ترمیم کیے بغیر لاگو کر لیا گیا تھا۔ اس پر ملکی عدالتوں کو بھی نہ صرف کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ پرانے فیصلوں کی 'روشنی' میں ہی نئی مثالیں قائم کرتی جا رہی ہیں۔

اٹھارویں ترمیم کے بعد یہ معاملات صوبوں کے ذمہ ہیں۔ ہندوؤں کی سب سے زیادہ تعداد سندھ میں ہے لیکن وہاں بھی ایسا کوئی قانون نہیں جو بیٹیوں کو اپنے باپ کی جائیداد سے حصہ دلوا سکے۔

مومل بھیل، تحصیل اسلام کوٹ (تھرپارکر) کی رہائشی ہیں۔ وہ اپنے والد لدھو بھیل کی پانچ بیٹیوں میں سے تیسرے نمبر پر ہیں۔ وہ سب شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے سسرال میں رہتی ہیں۔

مومل بتاتی ہیں کہ ان کے والدین کا گھر اور والد کی 180 ایکڑ بارانی زمین گاؤں ملھو بھیل میں ہے۔ والد کا انتقال ہوا تو چچا کے بیٹوں نے ان (مومل) کی والدہ کو گھر سے نکال دیا اور پوری جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔

"ہم (پانچوں بہنوں) نے اپنا حصہ مانگا تو انہوں نے دھتکار دیا۔ والدہ ہماری چھوٹی بہن کے گھر رہنے پر مجبور ہیں۔ ہم نے اسسٹنٹ کمشنر اسلام کوٹ اور تحصیل دار کو درخواست دی تو جواب ملا کہ آپس میں فیصلہ کر لیں یا ہم وہیں آ کر معاملہ دیکھیں گے۔

کیس کا پتا چلنے پر ہمارے چچازادوں نے ابو کی زمین بیچ دی۔ اب ہمارے پاس خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔"

بیٹیوں کے وراثت میں حصے کے درجنوں دعوے عدالتوں میں ہیں۔ کیول مینگھواڑ تھرکول پراجیکٹ میں آنے والے گاؤں وروائی کے رہائشی تھے۔ جیاں بائی ان کی اکلوتی اولاد ہیں۔ کیول مینگھواڑ کی بیوی کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کی، بیٹی اور داماد کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور کچھ عرصے بعد خود بھی چل بسے۔

جیاں بائی بتاتی ہیں کہ کول کمپنی نے جب گاؤں خالی کرایا تو متاثرین کو ان کے گھروں اور زمینوں کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا پتا چلتے ہی ان کے چچا کے بیٹوں نے انہیں شوہر کے ساتھ سسرالی گاؤں چلے جانے کا حکم دے دیا۔

"میں نے کہا کہ میں اپنے والد کی اکلوتی وارث ہوں اور گھر کا معاوضہ میں ہی لوں گی۔ اس پر انہوں (چچازادوں) نے میرے شوہر پر جھوٹے مقدمے کر دیے اور ہمیں نکال کر ہمارے گھر کا معاوضہ خود لے لیا۔ اب میں کچھ نہیں کر پا رہی۔"

> **شادی شدہ بیٹیاں ماں کی زندگی میں والد کی جائیداد میں حصہ کی حقدار نہیں۔ بھگوان داس بھیل پچھلے سال (چھ مارچ) کے ایک فیصلے کا حوالہ دیتے ہیں جس میں سندھ ہائیکورٹ نے ڈسٹرکٹ کورٹ کے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس کے تحت شادی شدہ ہندو خاتون کو اپنے مرحوم والد کی جائیداد کا جائز حصے دار قرار دیا گیا تھا۔ عدالت عالیہ نے مذکورہ حکم شریمتی سرسوتی دیوی کی درخواست پر جاری کیا جنہوں نے ماتحت عدالت کا فیصلہ چیلنج کیا تھا۔**

وائس چیئر پرسن ضلع کونسل کملا بھیل تصدیق کرتی ہیں کہ تھرپارکر خاص طور کول پراجیکٹ ایریا کے ایسے درجنوں کیس عدالتوں میں زیرِ التوا ہیں جو بیٹیوں نے اپنا وراثتی حق لینے کے لیے دائر کر رکھے ہیں۔

"بے چاری بیٹیاں بھگت رہی ہیں۔ لوگ ہمارے پاس بھی شکایتیں لے کر آتے ہیں لیکن ہندو وراثتی قانون نہ ہونے کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

بھگوان داس بھیل ایڈووکیٹ بتاتے ہیں کہ سندھ میں ہندو میرج ایکٹ 2016ء نے شادی، طلاق سمیت خواتین کے کچھ حقوق کو تسلیم کیا لیکن وراثت کا کوئی جامع قانون موجود نہیں ہے۔

"ہندو خواتین کے کیسز میں ملکی عدالتیں عام طور پر روایتی ہندو اصولوں یا برطانوی دور کے قانون کے تحت فیصلے دیتی ہیں جو مردوں کے ہی حق میں جاتے ہیں۔"

شادی شدہ بیٹیاں ماں کی زندگی میں والد کی جائیداد میں حصہ کی حقدار نہیں۔ بھگوان داس بھیل پچھلے سال (چھ مارچ) کے ایک فیصلے کا حوالہ دیتے ہیں جس میں سندھ ہائیکورٹ نے ڈسٹرکٹ کورٹ کے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس کے تحت شادی شدہ ہندو خاتون کو اپنے مرحوم والد کی جائیداد کا جائز حصے دار قرار دیا گیا تھا۔

عدالت عالیہ نے مذکورہ حکم شریمتی سرسوتی دیوی کی درخواست پر جاری کیا جنہوں نے ماتحت عدالت کا فیصلہ چیلنج کیا تھا۔

درخواست گزار نے مؤقف اختیار کیا کہ ان کے شوہر کھیم چند کے پسماندگان میں تین بیٹیاں، دو بیٹے اور ایک بیوہ (خود) شامل ہیں۔ ہندو قانون کے تحت شادی شدہ بیٹیاں اپنی ماں کی زندگی میں اپنے والد کی جائیداد میں حصہ لینے کی حقدار نہیں ہوتیں۔

'دو بیٹیوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا جبکہ تیسری بیٹی نے اعتراض کیا تو ٹرائل کورٹ نے ہندو قانون کے برعکس اسے حصہ دے دیا۔'

درخواست گزار کی بیٹی کا مؤقف تھا کہ وہ آنجہانی کھیم چند کی بیٹی ہونے کے ناتے وراثت میں اپنے جائز حصے کی حقدار ہیں۔ ملکی آئین جنس، ذات، مذہب یا نسل کی بنیاد پر امتیاز کے بغیر برابری کی ضمانت دیتا ہے، آئین سے متصادم ہر قانون کالعدم تصور کیا جاتا ہے۔

"ٹرائل کورٹ کا فیصلہ آئینی اصولوں کے مطابق ہے جو خواتین کے حقوق کا تحفظ اور صنفی امتیاز کی ممانعت کرتا ہے۔"

مدعا علیہ (بیٹی) کے وکیل نے بھارتی سپریم کورٹ کے فیصلے کی نظیر پیش کی جس کے تحت بیٹیوں کو بیٹوں کے برابر وراثت کا حق دیا گیا ہے۔

تاہم سندھ ہائی کورٹ کے سنگل بینچ نے قرار دیا کہ ڈسٹرکٹ کورٹ کا فیصلہ درست نہیں پاکستان میں ہندو برادری پر لاگو قوانین اور روایات کی تشریح پاکستانی قانونی دائرہ کار کے اندر ہی کی جانی چاہیے۔

لہٰذا وراثتی سرٹیفکیٹ صرف مرحوم کے بیٹوں، بیوہ اور پوتے پوتیوں کے نام جاری کیا جائے گا، شادی شدہ بیٹیوں کو اس سے خارج رکھا جائے گا۔

چیف جسٹس رانا بھگوان داس کی بیٹی بھی وراثت کے حق سے محروم رہیں۔ پنجاب میں ابھی تک ہندو قانونِ وراثت مجریہ 1929ء نافذ ہے جبکہ سندھ میں کبھی بھارتی ہندو سکسیشن ایکٹ 1956ء تو کبھی ہندو قانونِ وراثت مجریہ 1929ء اور ہندو وومین رائیٹ ٹو پراپرٹی ایکٹ 1937ء سے مدد لی جاتی ہے۔

سرسوتی دیوی کیس کے فیصلے میں عدالت عالیہ نے واضح کیا تھا کہ ٹرائل کورٹ نے فیصلے میں مِتا کشرا اصول کا غلط اطلاق کیا۔ میتا کشرا کے تحت بیٹیاں ماں کی زندگی میں والد کی جائیداد میں حصہ لینے کی حقدار نہیں ہوتیں، ان کا حق وراثت صرف ماں کے انتقال کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

سندھ ہائیکورٹ نے سابق چیف جسٹس رانا بھگوان داس کی بیوہ رتنا بھگوان داس کی پٹیشن پر بھی ایسا ہی فیصلہ دیا تھا۔ آنجہانی کی بیٹی مسز انیتا کماری والد کی وراثت سے محروم رہیں جبکہ بیوہ (درخواست گزار) اوران کے دو بیٹے جائیداد کے حقدار قرار پائے۔

برصغیر میں ہندو قانون وراثت دو بڑے ثقافتی و روایتی اصولوں سے ماخوذ تھا جو 'مِتا کشرہ' اور 'دیا بھاگا' کہلاتے ہیں۔ دیا بھاگا نظام بنگال اور ملحقہ علاقوں میں رائج تھا اور مِتا کشرہ بھارت کے شمالی و مشرقی حصوں اور موجودہ پاکستانی علاقوں میں رائج رہا۔ اس کے تحت بیٹی کو خاندانی جائیداد میں حصہ دار نہیں مانا جاتا تھا۔ صرف بیوہ کو شوہر کی وفات کے بعد حصہ مل سکتا ہے اور وہ بھی محدود ہوتا تھا۔

پدرسری زرعی سماجی روایات کے حامل مذکورہ دونوں نظام بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرتے ہیں۔ بھارت نے 2005ء میں ان روایتی ضابطوں کو سکسیشن ایکٹ سے بدل دیا مگر پاکستان میں ابھی تک انہیں بوسیدہ رسومات پر مبنی فیصلے جاری ہیں۔

ایڈووکیٹ بھگوان داس مذکورہ روایات کی یوں وضاحت کرتے ہیں: "ہندو کمیونٹی میں شادیاں خون کے رشتوں میں نہیں کی جاتیں۔ اس لیے جہیز ہی کو بیٹی کا حصہ قرار دے دیا جاتا ہے تاکہ وراثتی زمین اور گھر تقسیم نہ ہو۔"

'ہماری بیٹیوں کو جلد خوشخبری ملے گی'

گذشتہ ماہ سندھ اسمبلی کے پارلیمانی ورکنگ گروپ (مینارٹی پارلیمانی کاکس) کا گیان چند ایسرانی کی زیر صدارت اجلاس ہوا تو اس میں مسیحی میرج کے ساتھ ہندو وراثتی قوانین بھی زیر غور آئے۔

اجلاس میں وزیر اعلیٰ کے معاونِ خصوصی ڈاکٹر شام سندر آڈوانی، ڈپٹی سپیکر انتھونی نوید، رانا ہمیر سنگھ سمیت اقلیتی ارکان اسمبلی، سیکریٹری اقلیتی امور و دیگر حکام کے ساتھ نیشنل لا بنگ ڈیلیگیشن (این ایل ڈی) فار منارٹی رائیٹس کے ممبران بھی موجود تھے۔

شرکاء کا کہنا تھا کہ مبہم ہندو وراثتی قوانین کے سبب جائیداد کی تقسیم میں بیٹیوں سے بہت زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ بحث کے دوران کئی تجاویز سامنے آئیں جس پر گیا نچند ایسرانی نے محکمہ قانون کو ہدایت کی کہ قانونی مسودہ تیار کر کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے تاکہ قانون سازی کی جانب پیش رفت ہو سکے۔

این ایل ڈی کے رکن کرشن شرما جو پاکستان ہندو مندر مینیجمنٹ کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں بتاتے ہیں کہ پڑوسی ملک جہاں دنیا میں سب سے زیادہ ہندو آبادی ہے وہاں 2005ء میں جامع وراثتی قانون بن چکا ہے جس میں بیٹے اور بیٹی کو باپ کی جائیداد کا مساوی حصے دار قرار دیا گیا ہے۔

"ہم یہ چاہتے ہیں ہماری بیٹیوں کو بھی برابر کا حق ملے۔ ہم ایسے قانونی مسودے پر کام کر رہے ہیں جو ہندو پنچائیتوں اور قانونی ماہرین سے مشاورت کے بعد اسمبلی میں پیش کرایا جائے گا۔ امید ہے ہماری بیٹیوں کو جلد خوشخبری ملے گی۔"

(بشکریہ لوک سجاگ)

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

جلی ہوئی دیواریں اور راکھ سے بھرے گھر: جیکب آباد میں محبت کی شادی پر پورا گاؤں جلا دینے کا الزام

ریاض سہیل

جلی ہوئی دیواریں، راکھ سے بھرے گھر، ٹوٹی چارپائیاں، بکھرا سامان اور دیواروں پر آگ کے سیاہ نشانات۔۔۔صوبہ سندھ کا ایک خاموش گاؤں جہاں کبھی زندگی تھی، اب صرف خوف باقی ہے۔

یہ مناظر ہیں شمالی سندھ کے ضلع جیکب آباد کے گاؤں صدیق آرائیں کے جہاں 'لو میرج' یعنی محبت کی شادی کے بدلے میں حملہ آوروں نے پورا گاؤں ہی جلا ڈالا۔ انتقام کی اس آگ کا سلسلہ بظاہر شروع ہوا ایک ویڈیو بیان سے۔

سندھ اسمبلی میں اس واقعے کے خلاف قرارداد منظور کی گئی ہے۔ پیر کے اجلاس کے دوران وزیر داخلہ سندھ ضیا النجار کا کہنا تھا کہ جن لوگوں کے گھر جلے ہیں انھیں معاوضہ دیا جائے گا اور اس حوالے سے ڈپٹی کمشنر سے رپورٹ طلب کی گئی ہے۔ قرارداد کے متن میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ متاثرین کو سکیورٹی فراہم کی جائے جبکہ تمام ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جائے۔

یہ واقعہ پانچ مئی کا ہے۔ تاہم اس کہانی کو سمجھنے کے لیے ہمیں کچھ پیچھے جانا ہوگا جب کراچی میں زیرِ تعلیم حسن برڑو اور پانچ جماعتیں پاس سدرہ چنا نے حیدرآباد میں جا کر کورٹ میرج کر لی اور سوشل میڈیا پر اپنی شادی سے متعلق ایک ویڈیو بھی جاری کی۔

سوشل میڈیا پر موجود اس ویڈیو میں سدرہ چنا اور حسن بُرڑو ایک ساتھ بیٹھے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں حلف نامے تھے۔

سدرہ نے ویڈیو بیان میں کہا کہ 'میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔ ہم نے کورٹ میرج کی ہے۔ میں گھر سے صرف ایک جوڑے میں نکلی تھی۔ نہ سونا لیا، نہ پیسے۔'

سدرہ نے بیان میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ اُس کی عمر 14 سال نہیں بلکہ 20 سال ہے۔ یہ ویڈیو وائرل ہوگئی اور اس شادی کے مخالفین تک بھی جا پہنچی۔

سدرہ چنا اور حسن بُرڑو کا سوشل میڈیا پر جاری ہونے والی ویڈیو میں کہنا ہے کہ ان کی جان کو خطرہ ہے۔

نوجوان حسن بُرڑو کے والد مہار برڑو کہتے ہیں کہ اُنھیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اُن کے بیٹے کی سدرہ سے دوستی کیسے ہوئی اور دونوں نے کب یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے مطابق اس کی چنا برادری کے نوجوانوں کے ساتھ دوستی تھی، ان کے ہاں وہ آتا جاتا تھا۔

'ہمارے سردار نے مجھے فون کیا۔ میں نے کہا کہ مجھے مہلت دیں، میں فون کرتا ہوں۔ لیکن بیٹے کا فون بند آ رہا تھا۔ جیسے ہی سوشل میڈیا پر ویڈیو آئی تو سرداروں نے جرگہ کیا اور گاؤں کو جلانے کا فیصلہ کیا۔ کئی سو مسلح افراد آئے، فائرنگ کی، لوگوں کو خوفزدہ کیا اور پورے گاؤں کو آگ لگا دی۔'

ایس ایس پی فیضان آرائیں کا کہنا ہے کہ پولیس کی جانب سے فوری کارروائی کی گئی تھی۔ متاثرین کی مدعیت میں 32 افراد کے خلاف ہنگامہ آرائی کا مقدمہ درج ہوا جبکہ 10 مشتبہ افراد کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔

لیکن متاثرین کچھ اور ہی کہتے ہیں۔

میر پور برڑو تھانے پر کبیر چنا نے اپنی بہن سدرہ چنا کے اغوا کی ایف آئی آر درج کرائی جس میں موقف اختیار کیا گیا کہ رات کے آخری پہر تقریباً چار بجے محمد حسن بُرڑو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن کے گھر میں داخل ہوا اور اُس کی بہن سدرہ چنا کو زبردستی ساتھ لے گیا۔ ایف آئی آر میں یہ بھی لکھوایا گیا کہ جاتے ہوئے ملزمان گھر میں موجود پانچ تولے سونا، ایک لاکھ 80 ہزار روپے نقد رقم اور دو موبائل فون بھی ساتھ لے گئے۔ ایف آئی آر میں یہ بھی لکھوایا گیا کہ جاتے ہوئے ملزمان گھر میں موجود پانچ تولے سونا، ایک لاکھ 80 ہزار روپے نقد رقم اور دو موبائل فون بھی ساتھ لے گئے۔

'پولیس آئی نہ فائر بریگیڈ'

گاؤں صدیق آرائیں میں داخل ہوں تو ہر طرف تباہی دکھائی دیتی ہے۔ دو درجن کے قریب گھروں میں یا تو ہر چیز جل چکی ہے یا پھر توڑ دی گئی ہے۔

پانی کے نلکوں سے لے کر گھاس کاٹنے والی مشینوں تک، کچھ بھی محفوظ نہیں بچا۔ کچھ ایسے لوگ بھی حملے کا نشانہ بنے جن کی نوجوان حسن برڑو سے کوئی رشتہ داری نہیں تھی، مگر وہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

نجم الدین برڑو نے دو بڑے بکسے کھول کر دکھائے جس میں صرف چند برتن تھے، وہ بھی جلے ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ ان میں دو لڑکیوں کا جہیز تھا۔ اس بکسے میں جہیز کا سارا سامان رکھا ہوا تھا اور لڑکیوں کی شادی کی تیاریاں جاری تھیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'حملہ آور اپنے ساتھ گیس سلینڈر اور پیٹرول لائے تھے، سلینڈروں سے دھماکے کیے گئے جس سے چھتیں اڑ گئیں۔ وہ کچھ سامان لوٹ کر لے گئے اور باقی جلا دیا، دو تین برادریوں کے لوگ اُن کے ساتھ تھے۔ بستر جلا دیے گئے، اناج جل گیا، ہر چیز راکھ ہوگئی۔'

صدیق آرائیں گاؤں سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر میر پور برڑو تھانہ واقع ہے جبکہ 10 کلومیٹر دور فائر بریگیڈ کا دفتر ہے۔

نجم الدین الزام عائد کرتے ہیں کہ 'نہ پولیس آئی اور نہ ہی فائر بریگیڈ۔ ان کو بھی سرداروں نے اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کر کے روک لیا تھا۔'

صدیق آرائیں کے زیادہ تر رہائشی مزدور ہیں۔ اس وقت گاؤں میں صرف مرد موجود ہیں۔ خواتین حملے سے پہلے ہی یہاں سے نکل گئی تھیں۔

اہلِ خانہ کے مطابق، اُنھیں خدشہ تھا کہ کہیں خواتین کو اغوا نہ کر لیا جائے۔ گاؤں میں موجود پرائمری سکول کی عارضی عمارت بھی اس حملے کی آگ سے محفوظ نہیں رہ سکی، اس عمارت کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا، اب گاؤں کے بچے ایک بیٹھک میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اساتذہ نے بی بی سی کو بتایا کہ اُن کے لیے ڈیسک بھی آس پاس کے سکولوں سے مانگ کر لائے گئے ہیں۔

صدیق آرائیں گاؤں اس حملے سے دو بار پہلے قدرتی آفات سے متاثر ہو چکا ہے 2010 کے سیلاب میں یہ گاؤں ڈوب گیا اور رہائشیوں نے کئی ماہ دربدری میں گذارے۔

2022 کی طوفانی بارشوں نے ایک بار پھر انھیں بے گھر کر دیا، پیپلز ہاؤسنگ سکیم کے تحت انھیں جو 50 کے قریب کمرے تعمیر کر کے دیئے گئے تھے وہ بھی اس حملے میں متاثر ہوئے ہیں۔

اغوا یا محبت

حسن برڑو اور سدرہ چنا کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے 'لو میرج' کی ہے جبکہ سدرہ چنا کے والدین کا الزام ہے کہ ان کی بیٹی کو جبری اغوا کیا گیا ہے۔

میر پور برڑو تھانے پر کبیر چنا نے اپنی بہن سدرہ چنا کے اغوا کی ایف آئی آر درج کرائی جس میں موقف اختیار کیا گیا کہ رات کے آخری پہر تقریباً چار بجے محمد حسن بُرڑو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن کے گھر میں داخل ہوا اور اُس کی بہن سدرہ چنا کو زبردستی ساتھ لے گیا۔

ایف آئی آر میں یہ بھی لکھوایا گیا کہ جاتے ہوئے ملزمان

گھر میں موجود پانچ تولے سونا، ایک لاکھ 80 ہزار روپے نقد رقم اور دو موبائل فون بھی ساتھ لے گئے۔

سدرہ کے والد کہتے ہیں کہ وہ 'پردہ دار لوگ ہیں، ان کی خواتین باہر بھی نہیں نکلتیں۔ ویڈیو پر لا کر بے پردگی کی گئی۔'

'گھر میں ایسی کبھی کوئی بات نہیں کبھی ذکر نہیں کیا گیا نہ ہی حسن برڑو کی فیملی میں سے کوئی آیا کہ رشتہ دو۔ رات کے اندھیرے میں بیٹی کو اغوا کیا گیا ہے۔'

'حملہ نہیں، صرف چند اینٹیں'

گاؤں کے دو درجن کے قریب گھروں میں یا تو ہر چیز جل چکی ہے یا پھر توڑ دی گئی ہے

خاندان سے بغاوت کر کے شادی کرنے والی لڑکیوں اور نوجوانوں کے قتل کے واقعات تو عام ہیں تاہم لشکر کشی کر کے اس طرح سزا دینے کو شمالی سندھ کا ایک انوکھا واقعہ کہا جا رہا ہے جو مقامی سطح پر سرداری نظام کے اثر رسوخ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

گاؤں غازی خان چنا کے رہائشیوں پر صدیق آرائیں گاؤں پر حملے کا الزام ہے۔ غازی خان ڈیڑھ سو کے قریب گھروں پر مشتمل ہے جس میں چنا برادری کے علاوہ دیگر برادریاں بھی رہتی ہیں۔ چنا فیملی مقامی سیاست میں بھی سرگرم ہے۔

چنا برادری کے سردار احمد علی خان چنا سے جس روز ملاقات ہوئی، اسی روز حملے میں ملوث قرار دیے گئے ملزمان نے ضمانتیں حاصل کی تھیں۔

سردار احمد علی چنا تسلیم کرتے ہیں کہ مشتعل افراد نے صدیق آرائیں گاؤں پر حملہ کیا تاہم اُن کا مؤقف ہے کہ نقصان خود گاؤں والوں نے کیا۔ 'جس وقت حملہ ہوا، وہ تھانے میں ایف آئی آر درج کر رہے تھے۔'

ان کے مطابق 'لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی، ہم ہیڈ محرر کے پاس موجود تھے جب مجھے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ برڑو کمیونٹی کے گاؤں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ فوری پہنچو اور انھیں واپس لاؤ میں بھی پہنچتا ہوں۔ اسی دوران سارے لوگ واپس آ گئے۔'

سردار احمد علی کے مطابق انھیں لوگوں نے بتایا کہ کچھ گھروں کی چھتوں سے اینٹیں نکالی گئیں لیکن اس دوران 'میرا حکم آ گیا اور دوسرے فریق کے لوگ بھی پہنچ گئے۔ اس لیے وہ واپس آ گئے۔'

چنا سردار کے مطابق انھوں نے لوگوں سے کہا کہ انھوں نے غلطی کی ہے کیونکہ قانون ان کی مدد کر رہا تھا۔'

فیصلہ جرگے میں ہوگا یا عدالت میں

حسن برڑو اور سدرہ اس وقت نامعلوم مقام پر ہیں اور سوشل میڈیا پر ویڈیوز میں کہہ رہے ہیں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے۔

چنا برادری کے سردار کہتے ہیں کہ لڑکی کو اُن کے حوالے کیا جائے۔ 'لڑکی جو بیان دے گی اس کی روشنی میں فیصلہ ہوگا۔'

انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ وہ حل 'جرگے کے ذریعے' چاہتے ہیں۔ جبکہ حسن بُرڑو کے خاندان کا کہنا ہے کہ 'اب فیصلہ صرف عدالت ہی کرے گی۔'

واضح رہے کہ سندھ کے دیہی علاقوں میں اکثر برادریوں میں لڑکی کے رشتے کے لیے پہلا انتخاب خاندان میں ہی ہوتا ہے۔ سندھ میں خاندان سے باہر یا کسی اور قبیلے میں پسند کی شادی کے خلاف کاروکاری کی روایت موجود ہے جس کا انجام اکثر موت ہی ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جا رہا ہے کہ میر پور تھانہ یہاں سے صرف دو کلومیٹر دور تھا تو پھر پولیس نے اس ہنگامہ آرائی کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

ضلعی انتظامیہ کے مطابق اس حملے میں 68 گھرانے متاثر ہوئے ہیں جن کو سابق گورنر اور سابق چیئرمین سینیٹ محمد میاں سومرو کی طرف سے چند خیمے فراہم کیے گئے ہیں۔ جبکہ حکومت نے پانچ، پانچ کلو راشن کے بیگز فراہم کیے۔

تاہم مقامی لوگ ابھی تک غیر یقینی کی کیفیت میں ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

واپڈا کی نجکاری کے خلاف احتجاجی ریلی

ٹنڈو محمد خان آل پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین (سی بی اے) کی جانب سے واپڈا کی نجکاری کے خلاف گرڈ اسٹیشن سے سجاول چوک تک احتجاجی ریلی نکالی گئی۔ ریلی میں بڑی تعداد میں ورکروں نے شرکت کی۔ مظاہرین نے کہا کہ وفاقی حکومت واپڈا کی نجکاری کر کے لاکھوں ملازمین کو فاقہ کشی پر مجبور کر رہی ہے۔ واپڈا ایک منافع بخش ادارہ ہے لیکن کچھ مخصوص افراد کو ذاتی فائدہ پہنچانے کے لئے واپڈا کی نجکاری کی جا رہی ہے جو کہ انتہائی تباہ کن عمل ہوگا۔ وفاقی حکومت عوامی اداروں کو فروخت کر کے عوام کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک یونین ان کے ناپاک عزائم کے سامنے دیوار کی مانند حائل ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نجکاری جیسے حساس فیصلوں سے قبل تمام متعلقہ فریقین سے مشاورت کرے۔ قومی ادارے کسی بھی ملک کی معاشی بنیاد ہوتے ہیں اور ان کے مستقبل سے متعلق فیصلے عوامی مفاد، شفافیت اور قومی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر کیے جانے چاہئیں تاکہ ملک کی معیشت، ملازمین اور عوام کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔ اس موقع پر زاہد علی کھوسو ڈویژنل چیئرمین، عبدالعزیز میمن ڈویژنل جنرل سیکریٹری، محمد یونس نظامانی چیئرمین سب ڈویژن 2، رشید احمد میمن چیئرمین سب ڈویژن 1، سجاد علی سٹھیو چیئرمین بُلڑی شاہ کریم، ماجد علی سرھیو چیئرمین ڈویژن، ارجن کمار ڈویژنل وائس چیئرمین، فیاض علی میمن سیکریٹری سب ڈویژن 1، عابد علی ہالیپوٹو سیکریٹری سب ڈویژن 2، عبدالرؤف کمبھار سیکریٹری سب ڈویژن ماتلی، میر عامر علی ٹالپور سیکریٹری سب ڈویژن بُلڑی شاہ کریم، محمد اکرم گنبو وائس چیئرمین سب ڈویژن ماتلی، میر محمد ظہیر ٹالپور جوائنٹ سیکریٹری سب ڈویژن 1، میر راشد ٹالپور جوائنٹ سیکریٹری سب ڈویژن 2۔ امیر عثمان زئنور جوائنٹ سیکریٹری سب ڈویژن بُلڑی شاہ کریم، محمد سلیمان جوائنٹ سیکریٹری سب ڈویژن ماتلی، اور محمد بچل جمالی نے خطاب کیا۔ (یعقوب لطیف)

غربت نے تین اور جانیں لے لیں

ٹنڈو محمد خان ٹنڈو محمد خان میں غربت سے تنگ آ کر ایک کسان کی بیوی نے دو کمسن بچوں سمیت نہر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ تمام لاشوں کو ریسکیو کر کے ڈی ایچ کیو ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ لاشوں کی شناخت ہو گئی تھی۔ تفصیلات کے مطابق، ٹنڈو محمد خان کی پرانی مویشی منڈی کے قریب ایک خاتون نے اپنے 2 کمسن بچوں سمیت پھلیلی کینال میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ واقع کی اطلاع ملتے ہی مقامی غوطہ خوروں اور سماجی تنظیم کے رضا کاروں نے ایک گھنٹہ تک جدوجہد کر کے پانی سے لاشوں کو نکال کر ڈی ایچ کیو ہسپتال منتقل کیا جہاں ان کی شناخت گاؤں ارباب نور احمد سمون کی رہائشی شریمتی رتنی زوجہ ہریچند، ایشا بنت ہریچند اور سنجے ولد ہریچند کے نام سے ہوئی ہے۔ لاشوں کو منتقل کرنے کے لیے 1122 اور ہسپتال کی ایمبولینس نہ ملنے پر تینوں لاشوں کو مختلف رکشوں اور گاڑیوں میں ہسپتال لایا گیا۔ (رمضان شورو)

معاشی عدم مساوات کا بچپن سے اعلیٰ تعلیم تک زندگی کے ہر موڑ پر گہرا اثر

ایک ہی ملک میں امیر اور غریب بچوں کے درمیان فرق بھی نمایاں ہے

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) اور تعلیمی، سائنسی وثقافتی ادارے (یونیسکو) نے خبردار کیا ہے کہ معاشی ناہمواری بچوں کی صحت، تعلیم اور مستقبل کے مواقع کو نقصان پہنچاتی ہے اور یہ مسئلہ آنے والی نسلوں کے مستقبل کو بھی متاثر کررہا ہے۔

دونوں اداروں کی تحقیق سے سامنے آیا ہے کہ گزشتہ دہائیوں میں سکولوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے کی شرح میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ تاہم دنیا کے بہت سے ممالک میں مسلسل بڑھتی معاشی عدم مساوات بچپن سے شروع ہونے کے بعد اعلیٰ تعلیم تک برقرار رہتی ہے جس کے دوررس اثرات ہوتے ہیں۔

44 ترقی یافتہ اور ادارہ برائے معاشی تعاون وترقی (او ای سی ڈی) کے رکن ممالک میں معاشی ناہمواری اور بچوں کی فلاح و بہبود کے باہمی تعلق پر یونیسف کی جائزہ رپورٹ کے مطابق، بیشتر ممالک میں آمدنی کا فرق اور بچوں میں غربت کی شرح اب بھی بہت زیادہ ہے۔

یونیسف میں انوسینٹی مرکز کے ڈائریکٹر بووکٹر نولینڈ کا کہنا ہے کہ معاشی ناہمواری بچوں کے سیکھنے، کھانے اور اپنی زندگی کے بارے میں احساسات پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ زیادہ غیر مساوی معاشروں میں بچوں کی صحت کے مسائل بھی زیادہ سنگین ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک کے بچوں موٹاپے کا خطرہ قدرے مساوی معاشروں کے بچوں کے مقابلے میں 7.1 گنا زیادہ ہوتا ہے۔ ناقص غذا اور کھانے کی دستیابی میں بے قاعدگی اس کی بڑی وجوہات ہیں۔

عدم مساوات اور تعلیم سے محرومی

معاشی عدم مساوات سے تعلیمی صورتحال بھی شدید متاثر ہوتی ہے۔ زیادہ غیر مساوی معاشروں میں بچوں کے سکول چھوڑنے اور پڑھنے لکھنے یا ریاضی کی بنیادی مہارت حاصل نہ کر پانے کا امکان 65 فیصد تک ہوتا ہے جبکہ زیادہ مساوی ممالک میں یہ شرح 40 فیصد ہے۔

ایک ہی ملک میں امیر اور غریب بچوں کے درمیان فرق بھی نمایاں ہے۔ خوشحال خاندانوں میں 15 سال عمر کے اوسطاً 83 فیصد بچے ریاضی اور مطالعے میں بنیادی مہارت حاصل کرلیتے ہیں جبکہ غریب خاندانوں کے بچوں میں یہ شرح صرف 42 فیصد رہ جاتی ہے۔

یونیسف نے حکومتوں پر زور دیا کہ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے سماجی تحفظ کے نظام کو مضبوط بنایا جائے، غریب علاقوں میں سرمایہ کاری کی جائے، سکولوں کے لیے بڑے پیمانے پر وسائل مہیا کیے جائیں اور بچوں کو سکولوں میں غذائیت سے بھرپور کھانے فراہم کیے جائیں۔

اعلیٰ تعلیم کے غیر مساوی مواقع

یونیسکو کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ 20 برس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد دوگنا سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہے۔ 2000 میں یہ تعداد تقریباً 10 کروڑ تھی جو 2024 میں 26 کروڑ 90 لاکھ تک پہنچ گئی۔ تاہم، ادارے نے خبردار کیا ہے کہ اس اضافے کے باوجود سب کو یکساں تعلیمی مواقع میسر نہیں آسکے۔

آج ہر 100 مرد طلبہ کے مقابلے میں 114 خواتین زیر تعلیم ہیں۔ تاہم پی ایچ ڈی کی سطح پر اور اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں اہم ذمہ داریاں انجام دینے والوں میں خواتین کی نمائندگی اب بھی کم ہے۔

مغربی یورپ اور شمالی امریکہ میں تقریباً 80 فیصد نوجوان اعلیٰ تعلیم میں داخلہ لیتے ہیں جبکہ جنوبی ومغربی ایشیا میں یہ شرح صرف 30 فیصد اور ذیلی صحارا افریقہ میں محض 9 فیصد ہے۔

ڈگری مکمل کرنے کی سست شرح

اگرچہ داخلوں میں اضافہ ہوا ہے، مگر ڈگری مکمل کرنے والوں کی شرح اسی رفتار سے نہیں بڑھ سکی۔ 2013 میں گریجوایشن کرنے والے طلبہ کی عالمی شرح 22 فیصد تھی جو 2024 میں صرف 27 فیصد تک ہی پہنچ سکی۔

یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل خالد العنانی نے کہا ہے، رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی طلب بڑھ رہی ہے جس کا پائیدار معاشروں کی تعمیر میں ناگزیر کردار ہے۔ لیکن یہ اضافہ ہمیشہ مساوی مواقع میں تبدیل نہیں ہوتا۔ معیاری اور مشمولہ اعلیٰ تعلیم کے لیے نئے مالیاتی طریقہ ہائے کار اپنانا ہوں گے۔

اعلیٰ تعلیم میں خواتین کی برتری

دنیا بھر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ میں خواتین کی تعداد مردوں سے بڑھ گئی ہے۔ آج ہر 100 مرد طلبہ کے مقابلے میں 114 خواتین زیر تعلیم ہیں۔ تاہم پی ایچ ڈی کی سطح پر اور اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں اہم ذمہ داریاں انجام دینے والوں میں خواتین کی نمائندگی اب بھی کم ہے۔ دنیا بھر کی حکومتیں اعلیٰ تعلیم پر اپنی مجموعی قومی پیداوار کا اوسطاً 8.0 فیصد خرچ کرتی ہیں۔ 146 ممالک سے حاصل کردہ تازہ اعداد وشمار پر مبنی رپورٹ کے مطابق، تعلیم کے اخراجات اور جغرافیائی فاصلے بھی عدم مساوات میں اضافہ کررہے ہیں۔ صرف ایک تہائی ممالک ایسے ہیں جہاں اعلیٰ تعلیم سرکاری سطح پر قانوناً مفت فراہم کی جاتی ہے جبکہ بہت سے تعلیمی ادارے مالی دباؤ کا شکار ہیں۔

تعلیمی نقل وحرکت میں اضافہ

بیرونِ ملک تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد بھی گزشتہ دو دہائیوں میں تین گنا سے زیادہ بڑھی ہے۔ یہ تعداد 2000 میں 21 لاکھ تھی جو 2023 میں تقریباً 73 لاکھ تک پہنچ گئی۔

رپورٹ کے مطابق، دنیا کے صرف تین فیصد طلبہ ہی اس بین الاقوامی تعلیمی نقل وحرکت سے فائدہ اٹھاپاتے ہیں اور اس میں بھی مختلف خطوں کے درمیان واضح فرق موجود ہے۔

امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، جرمنی، کینیڈا، روس اور فرانس اب بھی دنیا کے نصف بین الاقوامی طلبہ کی میزبانی کرتے ہیں۔

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے اثرات

رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث یونیورسٹیوں پر دباؤ بھی بڑھ رہا ہے۔ اسی لیے تدریسی معیار برقرار رکھنے اور غریب طبقات کے لیے رسائی بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت بھی تدریس اور سیکھنے کے انداز بدل رہی ہیں مگر 2025 تک صرف ہر پانچ میں سے ایک یونیورسٹی کے پاس ہی اس مصنوعی ذہانت سے متعلق باقاعدہ پالیسی موجود تھی۔

دونوں رپورٹوں کو مجموعی طور پر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشی ناہمواری ایسے مسائل پیدا کرتی ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ غربت میں پرورش پانے والے بچوں کو تعلیم میں مشکلات، خراب صحت اور اعلیٰ تعلیم تک رسائی میں رکاوٹوں کا سامنا کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ میں موثر سرمایہ کاری نہ کی گئی تو معاشی خلیج نسل در نسل گہری ہوتی چلی جائے گی۔

بشکریہ یو این خبرنامہ)

پاکستان میں موسمیاتی تبدیلی: قیمت کون ادا کرتا ہے؟

میمونہ سحر

ایک عام آدمی کی کہانی جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتا ہے، ایک تلخ حقیقت کی عکاسی کرتی ہے

موسم گرما کے عروج پر، جب سندھ کے کچھ حصوں میں درجہ حرارت 50 ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کر جاتا ہے، غریب ترین لوگوں کے لیے زندہ رہنا روز کی جدوجہد بن جاتا ہے۔ ایک غریب آدمی جو جیکب آباد میں دہاڑی دار مزدور کے طور پر کام کرتا ہے، شدید گرمی اس کے لیے صرف تکلیف ہی نہیں، جان لیوا ہے۔ بجلی، صحت کی دیکھ بھال یا صاف پانی تک رسائی کے بغیر، وہ روزی کمانے کے لیے چلچلاتی دھوپ میں میلوں پیدل چلتے ہیں۔ صرف مہینوں پہلے، سیلاب ان کے گاؤں کو ڈوب دیتا ہے، جس سے ان کا گھر اور معاش تباہ ہو جاتا ہے۔ ایک عام آدمی کی کہانی جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتا ہے، ایک تلخ حقیقت کی عکاسی کرتی ہے۔ موسمیاتی تبدیلی واقعی ماحولیاتی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ انسانی حقوق کا بحران بھی ہے۔

عالمی گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں ایک فیصد سے بھی کم حصہ ڈالنے کے باوجود پاکستان موسمیاتی تبدیلیوں سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ممالک میں شامل ہے۔ سیلاب، خشک سالی اور گرمی کی شدت اس خطرے کو نمایاں کرتی ہے۔ 2022 کے سیلاب نے 33 ملین سے زائد افراد کو متاثر کیا، جس سے سندھ اور جنوبی پنجاب کے بڑے علاقے زیر آب آ گئے۔ گھر بہہ گئے، لاکھوں بے گھر ہوئے اور فصلیں تباہ ہو گئیں۔ بنیادی خدمات تک رسائی سے محروم افراد غیر متناسب طور پر متاثر ہو رہے ہیں۔

اندرون جنوبی پنجاب اور سندھ جیسے سیلاب زدہ علاقے تباہی کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ناقص نکاسی کا بنیادی ڈھانچہ، جنگلات کی کٹائی، اور قدرتی آبی گزرگاہوں کے ساتھ غیر منظم تعمیرات نے سیلاب کے اثرات کو تیز کر دیا ہے۔ سرسبز جگہوں کی کمی شہری علاقوں اور شہروں میں گرمی کی شدت اضافہ کرتی ہے۔ یہ قدرتی خطرات ہیں، ان کے تباہ کن نتائج بڑی حد تک ناقص نظم ونسق اور سماجی و اقتصادی عدم مساوات کی وجہ سے زیادہ ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو موسمیاتی تبدیلی شہریوں کے بنیادی حقوق کو نقصان پہنچاتی ہے۔ زندگی اور صحت کے حق کو طبی رسائی کی کمی، انتہائی درجہ حرارت اور بیماریوں کے پھیلنے سے خطرہ لاحق ہے۔ روزی روٹی کا حق متاثر ہوتا ہے کیونکہ مزدوروں کی آمدنی ختم ہو جاتی ہے اور کسان فصلوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سیلاب پانی کے ذرائع کو آلودہ کرتے ہیں، صاف پانی اور خوراک کی حفاظت کے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ آفات کی وجہ سے نقل مکانی، مناسب رہائش اور وقار کا حق متاثر ہوتا ہے۔

مقامی طور پر یہ اثرات یکساں طور پر مرتب نہیں ہوتے ہیں۔ کمزور گروپ بشمول بچے، خواتین، بوڑھے اور معذور افراد کو غیر متناسب خطرات کا سامنا ہے۔ خواتین اکثر محدود نقل وحرکت اور معلومات تک رسائی رکھتی ہیں، آفات کے دوران ان کی مدد حاصل کرنے کی صلاحیت محدود ہوتی ہے۔ خوراک کے نظام کی تباہی کی وجہ سے بچے غذائی قلت اور بیماریوں کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ پسماندہ کمیونٹیز، جو پہلے ہی غربت میں زندگی بسر کر رہی ہیں، ان کے پاس بحالی اور تعمیر نو کے لیے وسائل کی کمی ہے۔

آفات سے متاثرہ علاقوں میں سیلاب کے نقصانات سے فوری نمٹنے کے عمل میں سنگین نقائص ہیں۔ جنوبی پنجاب کی بہت سی برادریوں نے امداد کی تقسیم میں تاخیر اور ناکافی امداد کی اطلاع دی۔ کچھ معاملات میں، امداد غیر مساوی طور پر تقسیم کی گئی، ضرورت کے بجائے سماجی یا سیاسی رابطوں سے متاثر ہوئی۔ نتیجتاً، سب سے زیادہ کمزور آبادی اکثر بے سہارا رہ جاتی تھی۔ یہ نقائص شفافیت، حکمرانی اور احتساب میں کمزوریوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے پاس تباہ کن صورت حال پر ردعمل کو بہتر بنانے کی تکنیکی صلاحیت ہے۔ جیوگرافک انفارمیشن سسٹم (GIS) اور مصنوعی ذہانت (AI) جیسی ٹیکنالوجی موسمیاتی خطرے سے نمٹنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یہ ٹیکنالوجیز سیلاب کے نمونوں کی پیشن گوئی اور قبل از وقت وارننگ سسٹم کی مدد سے غیر محفوظ علاقوں کا نقشہ بنا سکتی ہیں۔ اس طرح کے اعداد وشمار کا مؤثر استعمال بروقت انخلاء، ٹارگٹڈ ریلیف کی تقسیم اور بہتر منصوبہ بندی کو ممکن بنا سکتا ہے۔ تاہم، چیلنج اعداد وشمار کی دستیابی میں نہیں، بلکہ فیصلہ سازی کے عمل میں اس کے انضمام میں ہے۔

ڈیزاسٹر مینجمنٹ اور موسمیاتی موافقت کے لیے پالیسی فریم ورک موجود ہے، لیکن عمل درآمد غیر موثر ہے۔ اکثر وسائل، تربیت اور اختیارات کی کمی ہوتی ہے۔ ماحولیاتی ضوابط کو کمزور طریقے سے نافذ کیا گیا ہے جس سے جنگلات کی کٹائی اور تجاوزات جیسے عمل کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ مزید برآں، متاثرہ کمیونٹیز منصوبہ بندی کے عمل میں شاذ و نادر ہی شامل ہوتی ہیں۔

پاکستان کو موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے کے لیے حقوق پر مبنی موثر حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔ GIS اور AI کے استعمال سے ابتدائی وارننگ سسٹم کو مضبوط بنا کر خطرات کو نمایاں طور پر کم کیا جا سکتا ہے۔ موسمیاتی لحاظ سے لچکدار انفراسٹرکچر میں سرمایہ کاری جیسے کہ سیلاب سے محفوظ رہنے والی رہائشی تعمیرات، نکاسی کا بہتر نظام، اور صاف پانی تک رسائی ضروری ہے۔ پانی کے بروقت اخراج کو یقینی بنانے اور بدعنوانی کو روکنے کے لیے ڈیجیٹل ٹریکنگ سسٹم کے ذریعے ریلیف کی تقسیم میں شفافیت کو یقینی بنانا بھی اتنا ہی اہم ہے۔

جامع منصوبہ بندی کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ بچوں، خواتین اور پسماندہ گروہوں کو فیصلہ سازی کے عمل میں فعال طور پر شامل ہونا چاہیے۔ اضلاع کی سطح پر صلاحیت سازی بھی بہت ضروری ہے۔ اس سے مقامی حکام آفات کا مؤثر جواب دینے کے قابل بنتے ہیں۔ ڈیٹا کے بہتر استعمال اور خطرے کی تشخیص میں تربیت ٹیکنالوجی اور نفاذ کے درمیان فرق کو ختم کر سکتی ہے۔

موسمیاتی تبدیلی بالآخر انصاف کا سوال ہے۔ پاکستان میں، جو لوگ گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں سب سے کم حصہ ڈالتے ہیں وہ اس کے اثرات کا سب سے زیادہ بوجھ اٹھاتے ہیں۔ منصفانہ پالیسیوں اور جوابدہ حکمرانی کے بغیر یہ ناانصافی برقرار رہے گی۔ اس لیے ماحولیاتی تبدیلی کے حوالے سے ہونے والی جدوجہد کو ماحولیاتی تحفظ سے آگے بڑھنا چاہیے۔ اسے عدم مساوات کو کم کرنا چاہیے، انسانی حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے، اور سب کے لیے وقار کو یقینی بنانا چاہیے۔

اصل چیلنج یہ نہیں ہے کہ آیا پاکستان کو موسمیاتی آفات کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ پہلے ہی موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ردعمل منصفانہ، جامع اور موثر ہوگا۔ موسمیاتی انصاف کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ پاکستان کے لیے اب عمل کرنے کا وقت ہے۔

نوجوان قتل

کنری کنری شہر کے قریب پنج پلی ریگیولیٹر کے پاس رات کو ہوٹل سے مزدوری کر کے گھر جانے والے 18 سالا نوجوان محمد اقبال ولد تاج محمد کپری کو ملزمان نے گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ اطلاع پر کنری پولیس نے جائے وقوع پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں لے کر تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کی جہاں پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاو کے حوالے کی گئی۔ مقتول کے ورثاؤ کے مطابق ان کی برادری کے چند افراد سے رشتیداری کے سلسلے میں تکرار چل رہی تھی۔ جس کے فیصلے کے لئے برادری کے معززین کو فیصلے کے لیے درخواست کی تھی لیکن کسی نے بھی فیصلہ نہیں کیا۔ جبکہ ملزمان کی طرف سے موت مار مسلسل دھمکیاں دی جارہی تھیں۔ یہ اطلاع ہم نے کنری پولیس کو بھی دی تھی لیکن پولیس نے کوئی اقدام نہیں لیا۔ ملزمان نے گولیاں مار کر ہمارے نوجوان کو قتل کر دیا۔ مقتول نوجوان گوٹھ راشد آباد کا رہائشی تھا اور کنری شہر میں ایک ہوٹل میں مزدوری کرتا تھا۔ رات کے وقت ہوٹل پر مزدوری کر کے گھر جا رہا تھا کہ ملزمان نے قتل کر دیا۔ مقتول کی والدہ زاہداں کپری کی فریاد پر پولیس تھانہ کنری پر مقدمہ درج کیا گیا۔ مقتول کے قتل کیس میں نامزد دونوں ملزمان زاہد کپری اور صلاح کپری کو کنری پولیس نے گرفتار کر کے جوڈیشل مجسٹریٹ کنری کی عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ حاصل کر لیا۔ کنری پولیس کے مطابق ملزمان کا عدالت سے ریمانڈ لے لیا گیا ہے۔ واقعے کی مزید جانچ جاری ہے۔ قتل میں استعمال ہونے والا ہتھیار بھی برآمد کرنا ہے۔ قتل کا معاملہ ہے مکمل طور پر شفاف جانچ کریں گے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے کئے جاسکیں۔

(نامہ نگار)

ایک نوجوان قتل

اوکاڑہ حجرہ شاہ مقیم کی حدود میں تھانہ ڈھلیانہ کے علاقے جھوک 2 ڈی میں مکئی کے کھیتوں سے ایک نوجوان کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق برآمد ہونے والی لاش کی شناخت 13 مئی کو مبینہ طور پر اغواء ہونے والے نوجوان زاہد کے طور پر کی گئی ہے۔ متاثرہ خاندان کی جانب سے 16 مئی کو باپ کی مدعیت میں اغواء کا مقدمہ بھی درج کرایا گیا تھا۔ اطلاع ملتے ہی تھانہ ڈھلیانہ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور لاش تحویل میں لے کر قانونی کارروائی اور تفتیش کا آغاز کر دیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

کوئٹہ ٹرین دہشتگرد حملہ گھناؤنا، بزدلانہ اور قابل مذمت: سلامتی کونسل

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ارکان نے پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں ایک مسافر ٹرین پر ہونے والے دہشتگردانہ حملے کو گھناؤنا اور بزدلانہ قرار دیتے ہوئے اس کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔ دہشت گردی کے اس خودکش حملے کے نتیجے میں کم از کم 14 شہری ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے، جن میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔ علیحدگی پسند گروہ بلوچستان لبریشن آرمی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حملہ اس کی مجید بریگیڈ نے کیا۔ سلامتی کونسل کے ارکان نے متاثرین کے خاندانوں اور پاکستان کی حکومت اور عوام سے گہری ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا اور زخمیوں کی جلد اور مکمل صحت یابی کی خواہش کی۔ سلامتی کونسل کے ارکان نے اس بات کا اعادہ کیا کہ دہشتگردی اپنی تمام شکلوں اور مظاہر میں بین الاقوامی امن وسلامتی کے لیے سب سے سنگین خطرات میں سے ایک ہے۔

پاکستان کے ساتھ تعاون کی اپیل

سلامتی کونسل کے ارکان نے دہشتگردی کی ان قابل مذمت کارروائیوں کے مرتکب افراد، منتظمین، مالی معاونت کرنے والوں اور سہولت کاروں کو جوابدہ ٹھہرانے اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے تمام ریاستوں پر زور دیا کہ وہ بین الاقوامی قانون اور سلامتی کونسل کی متعلقہ قراردادوں کے تحت اپنی ذمہ داریوں کے مطابق اس سلسلے میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کریں۔ سلامتی کونسل کے ارکان نے اس بات کا اعادہ کیا کہ دہشتگردی کی ہر کارروائی مجرمانہ اور بلاجواز ہے، چاہے اس کا محرک کچھ بھی ہو، جہاں بھی، جب بھی اور جس نے بھی کیا ہو۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے منشور اور بین الاقوامی قانون کے تحت بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون، بین الاقوامی پناہ گزینوں کے قانون اور بین الاقوامی انسانی ہمدردی کے قانون سمیت دیگر ذمہ داریوں کے مطابق تمام ریاستوں کو دہشتگردی کی کارروائیوں سے پیدا ہونے والے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو لاحق خطرات سے نمٹنے کی ضرورت کا اعادہ کیا۔

سیکرٹری جنرل کا اظہار ہمدردی

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیرش نے بھی پاکستان میں ٹرین کو بم دھماکے سے نشانہ بنائے جانے کی سخت مذمت کرتے ہوئے ہلاک ہونے والوں کے خاندانوں سے دلی تعزیت کا اظہار اور زخمیوں کی جلد صحت یابی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دہشتگردی اپنی ہر صورت میں ناقابل قبول ہے اور اس حملے کے ذمہ دار عناصر کی نشاندہی کر کے انہیں انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ سیکرٹری جنرل نے پاکستان کے عوام اور حکومت کے ساتھ اقوام متحدہ کی مکمل یکجہتی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، اتوار کو صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں ایک مسافر بردار ٹرین کو بارود سے بھری کار کی مدد سے خودکش حملے کا نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں انجن اور متعدد بوگیاں پٹری سے اتر کر الٹ گئیں۔ ہلاک ہونے والوں میں اکثریت راہگیروں سمیت عام شہریوں، ٹرین مسافروں اور دھماکے کی جگہ کے قریب واقع گھروں کے مکینوں پر مشتمل ہے جبکہ سکیورٹی فورسز کے تین اہلکار بھی ہلاک ہوئے ہیں۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

فائرنگ کر کے قتل کر دیا

نوشکی گورنمنٹ ڈگری کالج نوشکی کے براہوئی زبان کے لیکچرر نامور شاعر اور ادیب حیات غمخوار اپنے گھر کلی سیدان مینگل سے موٹر سائیکل پر شہر جارہے تھے کہ کلی مینگل قبرستان کے قریب موٹر سائیکل پر سوار دو نامعلوم مسلح افراد نے انھیں نشانہ بنایا جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے۔ انہیں میر گل خان نصیر ٹیچنگ ہسپتال کے لیے ریسکیو کیا جارہا تھا کہ طبی امداد ملنے سے قبل ہی راستے میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئے۔ ضروری کارروائی کے بعد نعش ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔

ایک دوسرے واقعے میں 8 مئی کو ہائی سکول جمالدینی میں موٹر سائیکل پر سوار دو مسلح افراد نے اسکول میں داخل ہو کر لائبریری میں میٹنگ کے دوران حق نواز جمالدینی کو نشانہ بنایا جس سے حق نواز جمالدینی اور ماسٹر حافظ اکرم جمالدینی جان بحق ہوگئے اسکول میں فائرنگ کی وجہ سے اسکول کے طلباء خوف زدہ ہوگئے۔ ملزمان واردات کے بعد موقع سے فرار ہوگئے نوشکی کے ادبی اور علمی حلقوں نے نوشکی میں تعلیمی اداروں کے تقدس کی پامالی اور استاتذہ اکرام کو ٹارگٹ کرنے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ملزمان کی فوری گرفتاری اور آئندہ ایسے واقعات کے روک تھام کا مطالبہ کیا ہے۔

(محمد سعید)

صاف پانی کی عدم دستیابی

اوکاڑہ شیر گڑھ میں صاف پانی کا بحران شدت اختیار کر گیا، عرصہ دراز سے فلٹریشن پلانٹس بند عوام آلودہ پانی پینے پر مجبور، پیٹ، جگر اور ہیپاٹائٹس جیسی بیماریاں پھیلنے لگی شیر گڑھ شہر اور نواحی علاقوں میں صاف پانی کی عدم دستیابی ایک سنگین عوامی مسئلہ بن چکی ہے۔ عرصہ دراز سے متعدد فلٹریشن پلانٹس بند پڑے ہیں جبکہ نئے فلٹریشن پلانٹس نصب کرنے کے دعوے بھی عملی شکل اختیار نہ کر سکے۔ صورتحال یہ ہے کہ ہزاروں شہری آلودہ اور غیر معیاری پانی استعمال کرنے پر مجبور ہیں جس کے باعث مختلف بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ شہریوں کے مطابق گندا پانی پینے سے بچوں، بزرگوں اور خواتین میں پیٹ کے امراض، معدے کی خرابی، ہیپاٹائٹس، جگر اور جلدی بیماریوں میں خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ کئی علاقوں میں لوگ مجبوراً مہنگے داموں ٹینکروں اور بوتلوں کا پانی خرید رہے ہیں جبکہ غریب طبقہ آلودہ پانی پینے پر مجبور ہے۔ عوامی و سماجی حلقوں نے شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ صاف پانی جیسی بنیادی سہولت کی عدم فراہمی متعلقہ اداروں اور منتخب نمائندوں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ شہریوں نے شکوہ کیا کہ سیاسی جماعتیں، منتخب نمائندے اور متعلقہ محکمے صرف اعلانات تک محدود ہیں جبکہ عملی طور پر عوام کو ریلیف دینے کے لیے کوئی مؤثر اقدامات نظر نہیں آ رہے۔ اہلیانِ شیر گڑھ نے وزیراعلیٰ پنجاب سے اپیل کی ہے کہ فوری طور پر اس سنگین مسئلے کا نوٹس لیا جائے، بند فلٹریشن پلانٹس کو فعال کیا جائے اور شہر کے مختلف علاقوں میں نئے واٹر فلٹریشن پلانٹس نصب کیے جائیں تاکہ شہریوں کو صاف اور معیاری پانی کی فراہمی یقینی بنائی جا سکے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ صاف پانی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور اگر بروقت اقدامات نہ کیے گئے تو آلودہ پانی کے باعث صحت کے مسائل مزید سنگین صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ (اصغر حسین حماد)

لاپتہ بیٹی کا انتظار

---- فیصل آباد کی رہائشی نبیلہ کی بہن کو غائب ہوئے تقریباً دو سال بیت چکے ہیں۔ بیس سالہ لڑکی کے پاس نہ موبائل فون تھا، نہ کسی سے کوئی رابطہ — پھر بھی وہ ایک دن گھر سے نکلی اور واپس نہ آئی۔ خاندان نے پولیس کے چکر لگائے، درخواستیں دیں، لیکن ہر بار ایک ہی جواب ملا: "گھر جائیں، بچی خود واپس آ جائے گی۔" فیصل آباد پولیس گزشتہ چار سالوں میں اغوا ہونے والی 118 خواتین کو بازیاب کروانے میں ناکام رہی ہے — جن میں 28 شادی شدہ اور 90 غیر شادی شدہ خواتین شامل ہیں۔ آئی جی پنجاب کے مطابق صوبہ بھر میں 3258 خواتین تاحال لاپتہ ہیں۔

(بشکریہ وائس پی کے)

عورت قتل، سابق شوہر گرفتار

میرپور خاص ضلع میرپور خاص کے معروف علاقے کوٹ غلام محمد شہر کے قریبی علاقے شانتی نگر کالونی کی رہواسی طلاق یافتہ عورت سیتا بنت بجیل کولہی کی زخموں شدہ نعش گھروں کے قریب چیکو کے باغ سے ملی۔ جن کو ورثاؤ نے گھر منتقل کر کے پولیس کو اطلاع دی۔ اطلاع پر کوٹ غلام محمد پولیس نے وہاں پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں تعلقہ ہسپتال کوٹ غلام محمد منتقل کی جہاں پوسٹ مارٹم سمیت ضروری کارروائی کے بعد ورثاؤ کے حوالے کی گئی۔ مبینہ مقتولہ کی والدہ پارو کولہی کے مطابق میری بیٹی چار بچوں کی ماں اور گذشتہ چار برسوں سے طلاق یافتہ تھی۔ مجھے شک ہے کہ میری بیٹی کو قتل کیا گیا ہے۔ کوٹ غلام محمد تھانے کی پولیس نے مقتولہ کی والدہ پارو کولہی کی فریاد پر مقتولہ کے سابق شوہر دھنیش عرف رمیش کولہی کے خلاف قتل کیس درج کر کے گرفتار کر لیا۔ مدعیہ نے کیس میں مؤقف اختیار کیا کہ جوابدار سے جھگڑہ ہونے کے بعد، ملزم نے دوپٹے کی مدد سے گلہ دبا کر قتل کیا ہے۔ پولیس مؤقف: پولیس کے مطابق مبینا ملزم سابق شوہر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ملزم نے جائے وقوع کی نشان دہی بھی کی اور جرم کے لئے استعمال کیا گیا دوپٹہ بھی ہاتھ کر لیا گیا ہے۔ مزید باریک بینی سے جانچ جاری ہے۔ پولیس نے مبینا ملزم کو مقامی جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ حاصل کر لیا۔ (نامہ نگار)

اقوام متحدہ کے ادارے انٹرنیٹ کو بچوں کے لیے محفوظ بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں

---- اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) نے قرار دیا ہے کہ بچوں کو سوشل میڈیا سے دور رکھنے کے بجائے اسے ان کے لیے محفوظ بنا کر زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ادارے نے آج ایک 10 نکاتی فریم ورک جاری کیا ہے جس میں حکومتوں اور ٹیکنالوجی کمپنیوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو آن لائن تحفظ فراہم کرنے کے لیے مزید موثر اور فوری اقدامات کریں۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے کہا ہے کہ ڈیجیٹل دنیا میں بچوں کو بہت سے خطرات کا سامنا ہے جن میں نجی اخفا (پرائیویسی) کی خلاف ورزی اور ایپلی کیشنز کا ایسا ڈیزائن بھی شامل ہیں جس کی بدولت نوعمر افراد کو ان کی لت لگ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مسائل کوئی ناگزیر حقیقت نہیں بلکہ تجارتی مفادات کے تحت کیے گئے شعوری فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔ بچوں کی حفاظت، رازداری اور ذہنی و جسمانی صحت کو جن آن لائن خطرات کا سامنا ہے وہ ایسے ڈیزائن اور کاروباری طریقوں کی وجہ سے ہیں جو تحفظ کو کمزور کرتے ہیں۔ ان میں لامتناہی سکرولنگ، آٹو پلے اور مسلسل نوٹیفکیشنز جیسی چیزیں بھی شامل ہیں۔ 'او ایچ سی ایچ آر' کی جانب سے یہ 10 رہنما اصول ایسے وقت سامنے آئے ہیں جب دنیا بھر میں عمر کی بنیاد پر سوشل میڈیا پر پابندیوں کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ آسٹریلیا نے دسمبر 2025 میں 16 سال سے کم عمر بچوں کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر پابندی عائد کر دی تھی، جبکہ ہانڈونیشیا اور ملائشیا نے بھی اسی طرز کے اقدامات کیے۔ علاوہ ازیں درجن سے زیادہ دیگر ممالک بھی ایسی پابندیوں پر غور کر رہے ہیں۔ وولکر ترک نے خبردار کیا ہے کہ اس نوعیت کی پابندیوں کو با آسانی نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں بچے مزید غیر محفوظ اور کم نگرانی والے آن لائن پلیٹ فارمز کی طرف جا سکتے ہیں۔ لہٰذا، ان کی رسائی کو ایسی جگہوں تک رسائی محدود کر دینا مسئلے کا مکمل حل نہیں ہو سکتا جو پہلے ہی غیر محفوظ ہیں۔ 'او ایچ سی ایچ آر' میں شعبہ موضوعاتی شمولیت اور خصوصی طریقہ ہائے کار کی ڈائریکٹر چیگی ہکس نے کہا ہے کہ اب ٹیکنالوجی کمپنیوں کے سامنے واضح انتخاب موجود ہے۔ وہ اپنے پلیٹ فارم کے ڈیزائن اور اسے چلانے کے طریقہ کار کو تبدیل کریں تاکہ بچوں کے حقوق اور حفاظت کو بہتر بنایا جا سکے، بصورت دیگر سخت قوانین اور بھاری جرمانوں کے ذریعے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ادارے کے رہنما اصولوں میں زور دیا گیا ہے کہ تمام ذمہ داری والدین اور بچوں پر ڈالنے کے بجائے نوعمر افراد کے تحفظ کو ابتدا ہی سے ہر سوشل میڈیا پلیٹ فارم کے بنیادی ڈھانچے کا حصہ بنایا جائے۔ رہنمائی میں یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ بچوں کے حقوق پر سوشل میڈیا کے ممکنہ اثرات کا لازمی جائزہ لیا جائے، عمر کی تصدیق کے نظام کو سخت ضوابط کے تحت لایا جائے تاکہ نجی اخفا متاثر نہ ہو اور اس مسئلے پر قوانین یا پالیسی سازی کے دوران خود بچوں کی رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ چیگی ہکس نے زور دیا کہ تیزی سے بدلتی ڈیجیٹل دنیا خصوصاً مصنوعی ذہانت اور چیٹ بوٹس کے بڑھتے ہوئے استعمال کے پیش نظر لچکدار اور شواہد پر مبنی پالیسی سازی ناگزیر ہے۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے مسلسل شواہد جمع کرنا ہوں گے اور نتائج کے مطابق فوری طور پر حکمت عملی میں تبدیلی لانا ہوگی۔

(نامہ نگار)

عورتیں

ہر 10 منٹ میں ایک عورت یا لڑکی قتل ہو جاتی ہے، اقوام متحدہ

صرف 2024 میں تقریباً 50 ہزار خواتین اور لڑکیاں اپنے شریکِ حیات یا خاندان کے کسی فرد کے ہاتھوں قتل ہوئیں۔ یو این ویمن کا کہنا ہے کہ اس جان لیوا رجحان کو روکنے میں کوئی حقیقی پیشرفت نہیں ہو سکی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی نشاندہی کی گئی کہ ٹیکنالوجی کی بعض اقسام نے خواتین کے خلاف تشدد کو مزید بدتر بنا دیا ہے، جیسے آن لائن تعاقب، دباؤ ڈالنا، اور تصاویر کا غلط استعمال۔ اقوامِ متحدہ کی جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہر 10 منٹ میں ایک عورت یا لڑکی قتل ہو جاتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے تازہ ترین اعداد و شمار دنیا بھر میں خواتین کے قتل کے بڑھتے ہوئے مسئلے کی سنگینی ظاہر کرتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ نے بتایا کہ اس رپورٹ کا اجرا خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے عالمی دن کے موقع پر کیا گیا ہے۔ 2024 کے دوران لگ بھگ 83 ہزار خواتین اور لڑکیاں قتل کی گئیں۔ ان میں سے تقریباً 60 فیصد، یا 50 ہزار، اپنے شریکِ حیات یا خاندان کے افراد کے ہاتھوں مار دی گئیں۔ یہ تناسب اس اعداد و شمار کے برابر ہے کہ ہر 10 منٹ بعد ایک عورت یا لڑکی اپنے کسی قریبی شخص کے ہاتھوں قتل ہوتی ہے۔ "دنیا بھر میں بہت سی خواتین اور لڑکیوں کے لیے گھر اب بھی خطرناک اور کبھی کبھار جان لیوا جگہ ثابت ہوتا ہے۔" انہوں نے مزید کہا، "دو ہزار پچیس کی فیمی سائیڈ (خواتین کے قتل) رپورٹ ایک واضح یاددہانی ہے کہ ہمیں فیمی سائیڈ کی روک تھام اور اس پر موثر عدالتی حکمتِ عملی اپنانے کی شدید ضرورت ہے۔" رپورٹ میں یہ بھی نشاندہی کی گئی کہ ٹیکنالوجی نے بعض اقسام کے تشدد کو مزید بدتر بنا دیا ہے، جیسے آن لائن تعاقب، دباؤ ڈالنا، اور تصاویر کا غلط استعمال۔ یہ بھی پایا گیا کہ یہ عوامل حقیقی دنیا میں بھی تشدد میں اضافے کا سبب بنتے ہیں اور بعض صورتوں میں خواتین کے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یو این ویمن کی پالیسی ڈویژن کی ڈائریکٹر سارہ ہینڈرکس نے کہا، "فیمی سائیڈ کبھی تنہا واقعہ نہیں ہوتا۔ یہ اکثر ایسے سلسلے کی کڑی ہوتی ہے جو کنٹرول کرنے والے رویّوں، دھمکیوں اور ہراسانی سے شروع ہوتا ہے، جن میں آن لائن ہراسانی بھی شامل ہے۔" اقوامِ متحدہ نے کہا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں خواتین اور لڑکیوں کو انتہائی درجے کے تشدد کا سامنا ہے۔ علاقائی اعداد و شمار کے مطابق 2024 میں خواتین کے قتل (فیمی سائیڈ) کی سب سے زیادہ شرح افریقہ میں ریکارڈ کی گئی، جہاں ہر ایک لاکھ خواتین و لڑکیوں میں سے 3 کو قتل کیا گیا۔ رپورٹ میں 'فوری اور مربوط روک تھام' کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے چھ اہم شعبوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جن میں مضبوط قانونی ڈھانچے کی تشکیل، متاثرین کو ترجیح دینے والی خدمات اور اسلحے پر پابندیوں کا نفاذ شامل ہے۔

(بشکریہ ڈی ڈبلیو)

تنازعات میں جنسی تشدد کے واقعات میں دوگنا اضافہ، یو این رپورٹ

گزشتہ سال مسلح تنازعات میں جنسی تشدد کے تقریباً 10 ہزار واقعات ریکارڈ کیے گئے جو 2024 کے مقابلے میں دوگنا زیادہ ہیں۔ اقوام متحدہ نے بتایا ہے کہ افریقہ، مشرق وسطیٰ، یورپ اور غرب الہند میں زیادتی، جنسی غلامی اور اغوا جیسے جرائم کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جنگوں میں جنسی تشدد کے مسئلے پر اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ پرامیلا پیٹن نے اس حوالے سے ادارے کی سالانہ رپورٹ کے اجرا پر کہا ہے کہ یہ اعداد و شمار ایک خطرناک عالمگیر رجحان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی بدامنی، نقل مکانی اور متاثرین کے لیے وسائل میں کمی اس بحران کو مزید سنگین بنا رہی ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹر میں صحافیوں کو بتایا کہ 2025 میں جنگوں کے دوران خواتین اور لڑکیوں کے خلاف جنسی تشدد کے واقعات میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ رپورٹ میں صرف ایسے واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی تصدیق ہو چکی ہے جبکہ بہت سے واقعات سامنے نہیں آتے۔ رپورٹ کے ضمیمے میں 77 ایسے فریقین کے نام شامل کیے گئے ہیں جنہیں تنازعات سے جڑے جنسی تشدد کے منظم واقعات کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ ان میں 62 غیر ریاستی عناصر ہیں۔ روس کی مسلح افواج اور اس کی دیگر سکیورٹی فورسز اور اسرائیلی فوج و سکیورٹی فورسز کو مسلسل جنسی تشدد کے شواہد سامنے آنے پر پہلی مرتبہ اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ دونوں ممالک کو اس فہرست میں ان کی ممکنہ شمولیت کے حوالے سے پہلے ہی خبردار کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں تنازعات سے متاثرہ 21 ممالک میں ریاستی اور غیر ریاستی عناصر کی جانب سے زیادتی، اجتماعی زیادتی، جنسی غلامی، جبری شادی، انسانی سمگلنگ اور اغوا جیسے جرائم کی تفصیلات درج ہیں۔ اگرچہ ایسے بیشتر جرائم کا ہدف خواتین اور لڑکیاں تھیں لیکن مردوں اور لڑکوں کو بھی جنسی تشدد کا سامنا کرنا پڑا اور خاص طور پر حراستی مراکز میں اسے تشدد کے طریقے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ علاوہ ازیں، ایل جی بی ٹی کیو آئی پلس افراد کو بھی ہراسانی اور مظالم کے بڑھتے ہوئے خطرات کا سامنا رہا۔ جنگوں میں جنسی تشدد کے متاثرین کی عمر ایک سال سے 70 برس تک تھی جبکہ جسمانی معذور افراد کو بھی اس تشدد کا سامنا رہا۔ پرامیلا پیٹن نے کہا کہ یہ تشدد عموماً انتہائی جسمانی اذیت کے ساتھ کیا گیا جن میں جنسی زیادتی کے بعد قتل اور متاثرین کی خودکشی کے واقعات بھی شامل ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ غیر ریاستی مسلح گروہ بشمول منظم جرائم پیشہ عناصر آبادی اور علاقوں پر کنٹرول قائم رکھنے کے لیے جنسی تشدد کو بطور ہتھیار استعمال کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً قدرتی وسائل سے مالا مال علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو اس تشدد سے لاحق خطرہ دیگر کے مقابلے میں کہیں شدید تھا۔ دشوار گزار علاقوں میں بے گھر اور مہاجر خواتین و لڑکیوں کو بڑے پیمانے پر خطرات لاحق رہے جہاں امدادی اور سماجی سہارا وجود نہیں رکھتا۔ رپورٹ کے مطابق، مسلح تنازعات میں چھوٹے ہتھیاروں کی آسان دستیابی نے بھی جنسی تشدد کو مزید ہوا دی ہے جبکہ انسانی امداد تک رسائی میں رکاوٹوں، بدامنی اور مالی وسائل کی کمی کے باعث ان جرائم کی دستاویز بندی اور متاثرین کی مدد مزید مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں سلامتی کونسل اور رکن ممالک پر زور دیا گیا ہے کہ وہ جنگوں میں جنسی تشدد کی روک تھام، اس کے ذمہ داروں کے احتساب اور متاثرین کی معاونت کے اقدامات کو مضبوط بنائیں۔

اس میں سفارش کی گئی ہے کہ:

- انسانی امداد کی بلا رکاوٹ رسائی یقینی بنائی جائے۔
- حقوق کی پامالی کے واقعات کی نگرانی اور پابندیوں کے نظام کو وسعت دی جائے۔
- اقوام متحدہ کی امن کارروائیوں میں خواتین کے تحفظ سے متعلق مشیروں کی معاونت بڑھائی جائے۔
- جنسی تشدد کے واقعات کی تحقیقات اور عدالتی کارروائیوں کو موثر بنایا جائے۔
- متاثرین کو طبی، نفسیاتی اور قانونی خدمات کی فراہمی کے لیے وسائل میں اضافہ کیا جائے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

خاتون بے دردی سے قتل

میانوالی 7 مئی کو تھانہ کندیاں کی حدود میں ٹبی موڑ کے قریب کندیاں کے جنگل میں قتل کی ایک لرزہ خیز واردات میں مبینہ طور پر ایک مرد نے ایک خاتون کو چاقو کے وار کر کے قتل کر دیا۔ خاتون ملزم سے شادی کرنے پر اصرار کر رہی تھی۔ ملزم خاتون کو کندیاں جنگل میں لے گیا جہاں اس نے چاقو کے وار کر کے اس کا گلا کاٹ دیا۔ واردات کے بعد لاش جنگل میں پھینک دی۔ واقع کی اطلاع ملتے ہی پولیس نے فوری کاروائی کرتے ہوئے ملزم کو گرفتار کر لیا۔ ملزم کی شناخت اختر حسین چھینہ سکنہ سہراب والا کے نام سے ہوئی ہے۔

(محمد رفیق)

تعلیم

سکول کی مرمت کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں

نوشکی 31 جنوری کو نوشکی میں ایک ناخوشگوار واقعے میں فائرنگ کے تبادلے میں شہر کے وسط میں واقع پرائمری اسکول کی عمارت کے تمام دروازے اور کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے جس کی وجہ سے پرائمری اسکول کی عمارت کھنڈرات میں بدل گئی۔ چار ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی کسی منتخب نمائندے نے اسکول کا دورہ کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی جو منتخب عوامی نمائندوں اور سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ چار ماہ سے اسکول کے طلباء بغیر دروازے اور ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں والی عمارت میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اسکول میں نئے دروازوں کی تنصیب اور ٹوٹے ہوئے شیشوں کی تنصیب دس دنوں میں عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ لیکن متعلقہ حکام کی عدم توجہی باعث تشویش ہے۔ متعلقہ حکام کی عدم توجہی کے باعث اساتذہ اکرام اور طلباء کو درس تدریس کے سلسلے میں مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

(محمد سعید)

خیبر پختونخوا میں سکولوں پر حملے قابل تشویش، یونیسف

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) نے پاکستان میں سکولوں پر حملوں کو باعث تشویش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے واقعات بچوں کے حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہیں جو ان سے سیکھنے، نشوونما پانے اور اپنی مکمل صلاحیتوں سے کام لینے کے مواقع چھین لیتے ہیں۔ یونیسف نے پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع ٹانک میں گزشتہ روز لڑکیوں کے پرائمری سکول کو دھماکہ خیز مواد سے تباہ کیے جانے کے واقعے کی مذمت کی ہے۔ ادارے کا کہنا ہے کہ ہر بچے کو حصول تعلیم کے محفوظ، جامع اور بلاتعطل مواقع تک رسائی کا حق ہے۔ سکول بچوں کے لیے محفوظ پناہ گاہیں ہوتی ہیں اور انہیں حملوں کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ اسکول کو تباہ کرنے کا حالیہ واقعہ ٹانک کے علاقے کمدا بک میں پیش آیا جہاں مبینہ شدت پسندوں نے لڑکیوں کے ایک سرکاری پرائمری اسکول کو دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیا۔ دھماکے سے سکول کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ انتظامیہ کے مطابق جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت سکول میں کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ یہ رواں سال صوبہ خیبر پختونخوا میں کسی سکول پر ہونے والا نواں حملہ ہے۔ ایسے واقعات کے نتیجے میں کم از کم ایک ہزار سے زیادہ طلبہ کی تعلیم متاثر ہوئی ہے۔ حملوں کا نشانہ بننے والے علاقوں میں خوف و ہراس پایا جاتا ہے اور لوگ اپنے بچوں کی حفاظت کے حوالے سے شدید پریشانی کا شکار ہیں۔ اس سے پہلے جنوری 2026 میں خیبر پختونخوا کے علاقے شمالی وزیرستان میں ایک سکول پر ڈرون حملے کے نتیجے میں پرنسپل اور دو اساتذہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ پاکستان میں یونیسف کی نمائندہ پرنیل آئرن سائیڈ نے کہا ہے کہ یہ تشویشناک صورتحال صوبے میں پہلے سے موجود تعلیمی بحران کو مزید سنگین بنا رہی ہے جہاں 5 سے 16 سال تک عمر کے اندازاً 45 لاکھ لڑکے اور لڑکیاں یا ایک تہائی بچے تعلیم سے محروم ہیں جبکہ لڑکیاں اس صورتحال سے کہیں زیادہ متاثر ہو رہی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ یونیسف ایسے واقعات سے متاثرہ بچوں، خاندانوں، اساتذہ اور مقامی لوگوں کے ساتھ کھڑا ہے اور طلبہ، اساتذہ اور تعلیم کو تحفظ دینے کے لیے فوری اقدامات کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ طلبہ کسی خوف کے بغیر محفوظ ماحول میں حصول علم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ ادارے نے زور دیا ہے کہ بچوں کے تحفظ اور ان کے حق تعلیم کو ہر حال میں یقینی بنایا جانا لازم ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

استاد کو قتل کر دیا

خیبر آل ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع خیبر کے تحصیل باڑہ کے عہدیداروں نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ روز برقمبر خیل جان خان کلے میں گورنمنٹ ہائی سکول جان خان کلے کے ٹیچر مسافر شاہ کو صبح سویرے سکول گیٹ پر بے دردی سے شہید کرنا نہ صرف اساتذہ برادری بلکہ پورے ضلع خیبر اور صوبے کے تعلیمی حلقوں کے لیے شدید صدمے اور تشویش کا باعث ہے۔ حکومت ملوث افراد کو حراست میں لے بصورت دیگر اساتذہ اور ضلع خیبر کے طلباء احتجاج پر مجبور ہونگے۔ آل ٹیچرز ایسوسی ایشن کے صدر نصیر شاہ آفریدی نے بات کرتے ہوئے کہا کہ مسافر شاہ ایک نہایت شریف، فرض شناس اور مخلص استاد تھے جن کی کسی کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ ان کی شہادت سے نہ صرف ان کے خاندان بلکہ علاقے کے طلبہ کے تعلیمی مستقبل کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے۔ پریس کانفرنس سے آل ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع خیبر کے صدر نصیر شاہ آفریدی، ینگ ٹیچر ایسوسی ایشن کے شاہد گل، ملگری اساتذہ ضلع خیبر کے حفیظ اللہ امین، تنظیم اساتذہ ضلع خیبر کے ملک نادار شاہ سمیت دیگر سکولوں کے اساتذہ نے خطاب کرتے ہوئے حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے مطالبہ کیا کہ اس افسوسناک واقعے میں ملوث قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کر کے قانون کے کٹہرے میں لایا جائے تاکہ اساتذہ اور تعلیمی اداروں کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر قاتلوں کو جلد گرفتار نہ کیا گیا اور شہید ٹیچر مسافر شاہ کو انصاف نہ ملا تو تمام ٹیچرز برادری اور طلبہ انصاف کے حصول تک احتجاجی تحریک شروع کریں گے۔

(منظور آفریدی)

سکول سے گھر جانے والے 2 معصوم بچے شہید

باجوڑ خیبر پختونخوا کے سرحدی ضلع باجوڑ میں ایک انتہائی افسوسناک اور دلخراش واقعہ پیش آیا ہے، جہاں تحصیل ماموند کے سرحدی علاقے شاہی تنگی میں ایک مبینہ ڈرون حملے کے نتیجے میں اسکول کے دو کمسن طالب علم جاں بحق ہو گئے ہیں۔ سیکیورٹی ذرائع کے مطابق یہ لرزہ خیز واقعہ اس وقت رونما ہوا جب بچے اسکول سے چھٹی کے بعد کتابیں ہاتھوں میں لیے اپنے گھروں کی طرف واپس جا رہے تھے کہ اچانک انہیں فضا سے نشانہ بنایا گیا۔ مقامی سیکیورٹی حکام اور ڈی ایس پی نیاز نے واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مبینہ ڈرون حملے کے فوراً بعد مقامی انتظامیہ اور امدادی ٹیمیں جائے وقوعہ پر پہنچ گئیں۔ جاں بحق ہونے والے دونوں معصوم بچوں کی لاشوں کو فوری طور پر قانونی کارروائی اور پوسٹ مارٹم کے لیے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر اسپتال خار منتقل کر دیا گیا ہے۔ واقعے کے بعد علاقے میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا ہے اور مقامی آبادی میں گہرے غم و غصے کی لہر دوڑ گئی ہے۔

(مسعود شاہ)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم جو نہی خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org
مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : + 92 0333 200 6800
ای میل: complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08، فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر، کراچی۔ 74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

43، گلشن اقبال لین
(نزد ارباب روڈ سٹاپ)
یونیورسٹی روڈ، پشاور
فون : +92 091 584 4253
شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس 1-B، فلور 2
بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک)
جی 8، مرکز، اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9، رانگ ئیل پلازہ
جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال، گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ، تربت، کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ
یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35864994-35838341 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15
کمپوز: جمال احمد سید رضا شاہ